

سلسلہء مطبوعات اکیڈمی کلاہری

دیوانِ غالب

یعنی

نجم الدولہ دبیر احمد نواب مرزا اسرار اللہ خاں غالب دہلوی

کا اردو دیوان

مرزا صاحب کے مصدقہ اور قلمی دیوان کے مطابق

اردو اکیڈمی سندھ
میشن روڈ - کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
 کاغذی ہے پیر بن ہر سیکر تصویر کا
 کا دکا و سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
 صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شہر کا
 جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیئے
 سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
 آگہی ام شہیدان جس قدر چاہے بچائے
 مدعا عفا ہے اپنے عالم تفسیر کا

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش نیرپا
 موئے آتش دیدہ ہے حلقہ بری پنجیسر کا

جواحت تھنے لہاس رخاں داغ جگر مہر
 مبارکباد آسد فخر آری جان درد مند کا

جز قیس درد کوئی نہ آیا بڑے کار
 صحرانگر بہ نگلی چشم حسود تھا

آتش لگی نے نقشِ سودا کیا درست ظاہر ہوا کہ داغ کا سرا یہ دود تھا
تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ جب آنکھ کھل گئی تو ریاں تھیں نہ سود تھا
لیتا ہوں کتبِ غمِ دل میں سبقِ ہنر لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا
ڈھانچا کفن نے داغِ عیوب پر ہنگی میں وہ ہر لباس میں نگہ جو تھا

تیش بغیر مرد سکا کو کھنکھس
سرشتِ خارِ رسوم و قیود تھا

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل اگر پڑا پایا دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے دعا پایا
عشق سے طبیعتِ زیست کا مزا پایا درد کی دوا پائی درد بے دوا پایا
دوستدارِ دشمن بنا اعتمادِ دل معلوم آدے اثر دیکھی نالہ نارسا پایا
سادگی پر کاری بخودی و ہشیاری حسن کو تداخل میں حُرأت آزما پایا
غیبِ چہرہ کا کھینچ آج ہم نے اپنا دل خوں کیا ہوا دیکھا گم کیا ہوا پایا
حالِ دل نہیں معلوم لیکن اس قدر یعنی ہم نے بار بار ڈھونڈا تم نے بار بار پایا

شورِ پندِ ناصح نے زخمِ پُر تک چھڑکا
آپ سے کوئی بوجھے تم نے کیا مزا پایا

دل مر سوز نہاں بے محابا جل گیا آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا
 دل میں دقِ وصل دیا ویا رکباتی نہیں آگِ اس گھر میں لگی ایسی کہ جوتھا جل گیا
 میں غم سے بھی پہلے محرمِ رنہ غافل رہا میری آہِ تیشیں سے بالِ عفتا جل گیا
 عرض کیجے جسہِ اندیشہ کی گرمی کہاں کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرِ جل گیا
 دل نہیں تجھ کو دکھاتا ور نہ غلوں کی بہاں اس چراغِ اکا کوں کیا کارِ فواں جل گیا

میں ہوں اور قسرت کی آرزوِ لبِ کدِ دل

دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہلِ ذیبا جل گیا

شوق ہر رنگِ قیہِ سرسماں نکلا قیسِ نصیر کے پتے میں بھی عریاں نکلا
 زخمِ نفاذِ دقِ نگہی دل کی یارب تیر ہی سینہ پہل سے پیرا فشاں نکلا
 بوئے گلِ لڑوُلِ دو و چراغِ مھل جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
 دلِ مسرت نہ تھا اُمّہ لذتِ درد کامِ یادوں کا بقدرِ لب و مذاں نکلا
 تھی نوا موزِ فنا ہمت و شواہدِ پسند سستِ شکلِ جگر کیہ کام بھی آساں نکلا

دل میں پھر گریہ نے اک شمعِ راٹھیا غالب

آہِ جو قطرہ نہ نکلا تھا سو طوفاں نکلا

دھکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا عشقِ نبردِ پیشہ طلبگارِ مرد تھا
 تھا زندگی میں مرگ کا کلھکا لگا ہوا اُنکے سے پیشتر بھی مرانگ نہ رہا تھا
 تالیفِ نسخہ ہائے فاکر رہا تھا میں مجھ کو بخیاں ابھی فردوسِ دہا تھا
 دلِ تاجگر کہ ساحلِ دہائے خوںِ ہوا اس رگدڑ میں جلوہ گل آگے گر رہا تھا
 جاتی ہے کوئی کشمکشِ اندوہِ عشق کی دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا
 احبابِ چارہ ساریِ وحشتِ فکر کے زنداں میں بھی خیالِ بیاں نورِ دہا تھا

یہ لاش بے کفن آسہِ خستہ جاں کی ہے

حقِ مغفرت کرے عجب آزادِ مرد تھا

شمارِ سچو سرِ غوبِ بُتِ مشکل پسند آیا تماشاخانے بیک کفِ ہزنِ ہندل پہ آیا
 فیضِ ہمدلیِ نامیدیِ جاوید آساں ہے کشائش کو ہمدردِ عقدہِ مشکل پسند آیا
 ہوائے بیگل آئینہ بے مہرِ قاتل کہ اندازِ بکوںِ غلطید بنِ بسمل پسند آیا

جراحتِ متحدہ، الماسِ رمقاں، داغِ جگرِ بد

مبارکبادِ آسہِ غمِ خوارِ جانِ درد مند آٹا

دہریہ نقشبندِ فاجرِ تسلی نہ ہوا ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہِ مستی نہ ہوا

سبز و خط سے ترا کا کل سرکش نہ دیا
 یہ زمر دہی حریف دم افسی نہ ہوا
 میں نے چاہا تھا کہ اندوڑو فاسے چھوٹا
 وہ تنم گرمے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا
 دل گزرا گاہ خیال سے ساغر ہی ہوی
 گر نفس جاوہ سر منزل تقوی نہ ہوا
 ہوں تھے عذر نہ کرے میں بھی اچھی کہ کبھی
 گوش منت کش گلاب گلاب تسلی نہ ہوا
 کس سے عروبی قسمت کی تمکاری کبھی
 ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سچ وہ بھی نہ ہوا

مر گیا صدمہ یک جنبش لب سے غالب

نا توانی سے حریف دم عیسیٰ نہ ہوا

ستائش گرم ہر زاہد اس قصہ میں باغِ رضواں کا
 وہ اک گلہ سہ ہر ہم بخود لے کھاتی نیاں کا
 نیاں کیا کیجے بیلہ کا دشمنے شرکاں کا
 کہ ہر یک قطرہ خون نہ ہے تیج مرجاں کا
 ذاتی سلطت قاتل بھی مانع میرے ناووں کو
 لیا دانتوں میں جو تک ہوا ریشہ نیستاں کا
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصت زمانہ لے
 ملا ہر داغ دل اک تھم ہے سرو چراغاں کا
 کیا آئینہ خانہ کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
 کہے جو پر تو نور شیعہ عالم شہنشاں کا
 مری تمیر میں مضمحل ہے اک صورتِ لطیف کی
 بیولا برقِ خرمین کے خون گرم دہقاں کا
 آگاہ ہے گھر میں ہر سو ہندو دیرانی تماشا کر
 مارا اب کھلنے پر گھاس کھجور میے دیاں کا

خوشی میں نہاں گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں چراغ مُردہ ہوں میں بے نہال گمِ رغبتیاں کا
ہنوز اک پر تو نقشِ خیالِ یادِ باقی ہے دالِ خسرو گویا جگر ہی دھڑکتے تداں کا
نہل میں غیر کی کج آپ سٹھیں میں کہیں ورنہ سب کیا خواب میں آکر جتم ہائے نہاں کا
نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا قیامت ہی سرِ شکستہ وہ ہونا تیری شنگاں کا

نظر میں ہے ہماری جادۂ راہِ فنا غالب
کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے لہجے پریشاں کا

محرم نہیں ہر توہی نوا ہائے راز کا یال ورنہ جو حجاب ہی پردہ ہے ساز کا
رنگِ ہکتے صبح بہارِ نظارہ ہے یہ وقت ہے نغمہٴ گلہائے ناز کا
تو اور سوئے غیر نظر ہائے تیز تیز میں اور دکھ تیری شرہ ہائے راز کا
صرف ہے ضبطِ آہ میں میرا و گرنہ میں طعمہ ہوں ایک ہی نفسِ جاں گداز کا
ہیں بسکہ جوشِ یادہ سے شیشے چل رہے ہر گوشہ بساط ہے سرِ شیشہ باز کا
کاوشِ دل کسے ہے تقاضا کہ ہو منو ناخنِ چرخِ اس گرو نیم باز کا

تاراج کا دیشِ غمِ بھراں ہوا اسد
سینہ کہ تھا دھیند گھر ہائے راز کا

نہ ہوگا کیسا باں ہمدگی نے وق کم میرا حجاب موجب زقار ہے لعش قدم میرا
 محبت تھی جہیں سے لیکن اب بیدار غمی ہے
 کہ مہج بوئے گل سے ناک میں آتا ہے مہیرا

سراپا بہن عشق و ناگزیر الفت ہستی عبادت برق کی کرتا ہوں افسوس حاصل کا
 بقدر ظرف ہو ساقی خمار تشنہ کامی بھی
 جو دیو بیٹے نے ہو تو میں حلیا زہ ہوں ساحل کا

نہج شاہنشاہ میں اشار کا دفتر کھلا	دیکھو یا اب یا یہ دیکھو غیب نہ گو ہر کھلا
شب بے شبی پھر انجم خشت نہ کا منظر کھلا	اس تکلف سے کہ گویا بیکسے کا در کھلا
گرچہ مہن یوازہ پر کیوں دست کا کھلا دل سے	آستین میں شہنشاہی تہ میں نشتر کھلا
گو نہ سمجھوں اسکی باتیں نہ پاؤں اس کا مجید	پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری پیکر کھلا
ہے خیال تفس میں حسن عمل کا خیال	خلد کا اک دہے میری گور کے اندر کھلا
منہ نہ کھلنے پر کہ وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں	زلف کے بحر نقاب میں شمع کے منہ پر کھلا
دور پر ہے کو کہا اور کہہ کے کیسا پھر گیا	جتنے عرصہ میں میرا لٹا ہوا بستر کھلا

کیوں اندھیری ہر شبِ غم ہو ٹھکانوں کا نزول
آج ادھر ہی کو رہے گا دیدہ خست کھلا
کیا جہونِ بت پریش جس جہتِ حوادثِ کلیاں
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ ہر اکثر کھلا

اُسکی امت میں میں میں میسے ہیں کیوں کام بند
داسے جس شمع کے غالب گنبد بے در کھلا

شبِ برقِ سوزِ دل سے نہ ہر ابراب تھا
شعلہ جوالہ ہر یک حلقہ و گرداب تھا
واں کرم کو عذیرا شمس تھا حلالِ غیرِ حرام
گریہ سے یاں پیٹا بالمش کینہ سیلا تھا
دافعِ کارائی کو تھا موتی پر دلے کا خیال
یاں مجھم اشک میں تارِ نگہ نہایا تھا
جلوہ گل نے کیا تھا واں چراغاںِ آسجود
یاں مژگانِ چشمِ تیرے سخنِ ناب تھا
یاں سرِ پرِ شور بے خوابی سے تھا ہوا سجود
یاں نفس کرتا تھا روشن صبحِ بزمِ بخودی
واں وہ فرقِ نازِ حویا بالمش کم خواب تھا
فرش سے تلو فرشِ اطلالِ قلعہ چنگ
یاں بزمِ آسمانِ ہمکِ فتن کا باب تھا

ناگہاں اس بنگِ سخنِ ناپہنچانے لگا
دلِ کرہ و قی کا و شرِ ناخن سے لفتِ یاب تھا

نالہ دل میں شبِ اندازِ اثرِ نایاب تھا
 تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیرِ گویتاب تھا
 مقہمِ سیلابِ دل کیا نشاۃِ آہنگ
 خانہِ عاشقِ مگر سارِ صدائے آب تھا
 نازِشِ ایامِ خاکستہ نشینی کیا کہوں
 پہلوئے اندیشہ و قہرِ بسترِ سنجاب تھا
 کچھ نہ کی اپنے جنوںِ نارِ سانے و زبیاں
 ذرہ ذرہ روکشِ خورشیدِ عالمِ تاب تھا
 کچ کہوں پوہ نہیں اپنے ایشی کی تجھے
 کل تک تیرا ہی دل مہر و فاکا باب تھا
 یاد کرو دین کہ ہر ایک حلقہ تیرے دام کا
 انتظارِ صید میں اک بیدارِ خواب تھا

میں نے روکا راتِ غالب کو و گردِ دیکھنے

اک سیلِ گریہ میں گردوں کو سیلاب تھا

ایک ایک قطرہ گلے دینا پڑا حساب
 خونِ جگر و دھتِ مژگانِ یار تھا
 اب میں ہوں اور ماتمِ یک شہرِ آرزو
 تو اوج تو لے آئینہ تمثالِ دار تھا
 گلیوں میں میری لاش کو کھینچے پھر دگیا
 جاں داغِ ہوائِ میرہ گزار تھا
 مہجِ سربِ دشتِ فاکانہ پوچھ حال
 ہرزہ مثلِ جوشِ تیجِ ابدار تھا

کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر آب

دیکھا تو کم ہوئے عجب ہم روزِ گار تھا

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا
 آدمی کو بھی یہ سہ نہیں انساں ہونا
 گر یہ چاہے ہر خرابی سے کاشانے کی
 درود یوار سے چپکے ہے بیا باں ہونا
 دل سے دیوانگی شوق کہ ہر دم مجھ کو
 آپ جانا اُدھر اور اپنی حیراں ہونا
 جلوہ از بسکہ تعاضاے نگہ کرتا ہے
 جو ہر آمیز بھی چاہے ہے ترنگاں ہونا
 عشرت قتل گاہ اہل تمناست پوچھ
 عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا
 لے گئے خاک میں ہم داغ تمناے نشاط
 تو ہوا وہ آپ بصد بگ گستاں ہونا
 عشرت پارہ دل خرم تنہا کھانا
 لذت شیش جگر غرق نمکداں ہونا
 کی مجھے قتل کے بعد اس حفا سے تو
 اُسے اُس نے وہ پیشیاں کا پیشیاں ہونا

حیث اس چار گز پرشے کی قیمت غالب

جس کی قسمت میں ہے عاشق کا گریباں ہونا

شبِ خامہ شوق ساقی رتخیز اندازہ تھا
 تباہی طباد و صورت خانہ حیرانہ تھا
 یک قدم و مشت یک درمن خیر مکان کھلا
 جادہ اجڑائے دو عالم وشت کاشیرازہ تھا
 مانع و مشت خیمہ اُسے یسلی کون ہے
 خانہ مجنون صحر اگردے دروازہ تھا
 بوجھ مست سوائی اندازہ استغنائے حسن
 دست مریحون حنا خسار ہر غنا تھا

نالہ دل لے دیئے اور اوراقِ نعتِ دل بیا

یادگارِ نالہ اک جوان بے شیرازہ تھا

دوستِ مخموری میں ہی سہی مائیں گے کیا
بے نیازی حد سے گزری خندہ پرور تک
حضرتِ ناصح گراویں دیدہ دل فرسِ راہ
آج داں تیغِ کفنِ بانہے ہوئے تاجِ ہوں میں
گر کیا ناصح نے ہم کو قیدِ اچھا نہیں سہی
خانہ زادِ زلفِ میں بخیر سے بھاگیں گے کیوں
نغم کے بھرنے ملکِ نغمِ ٹہرہ آئیں گے کیا
ہم کہیں گھاٹِ لوارپے مائیں گے کیا
کوئی تھک کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا
عذر میرے قتلِ کھنڈے میں ابائیں گے کیا
یہ جنوںِ عشق کے اندازِ چٹ جائیں گے کیا
ہیں گرفتارِ فانی زندگیاں گھبرائیں گے کیا

ہے اب اس محورہ میں قحطِ غم الفتِ آسد

ہم نے یہ مانا کہ آلی میں ہیں کھائیں گے کیا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ دھماکا یار ہوتا
تسے نہ حد سے پر جئے ہم تو یہ جان بھوٹ جانا
تری نازکی سے جانا کہ بندھا تھا عہدِ پودا
کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیرے کش کو
اگر اور جیتے رہتے ہی انتظار ہوتا
کہ خوشی سے مرنے جاتے اگر اعتبار ہوتا
کبھی تو نہ توڑ سکتا اگر استوار ہوتا
خیالِش کہاں سے معنی جو جگر کے پار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی جو کہنے میں دستِ ناصح
 رگِ سنگ سے پکنا وہ لہو کہ پھر نہ تمنا
 غم اگرچہ جاں گسل ہی یہ کہاں کچنِ دل ہے
 کہوں کس سے کہ کیا ہو شبِ غم بُری بلا ہے
 مجھے مرنے کے ہم جو سوا مجھے کہوں غرقِ دیا
 اسے کون دیکھ سکتا کہ گناہ ہے نہ بیکتا
 کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا
 جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
 غمِ عشق گزرتا ہوتا غمِ وزگار ہوتا
 مجھے کیا بُرا تھا مرنے اگر ایک بار ہوتا
 نہ کبھی جیتا نہ اٹھتا نہ کہیں قرار ہوتا
 جو دعویٰ کی بو بھی ہوتی تو کہیں بچار ہوتا

یہ مسائلِ تصوف یہ ترا بیانِ غالب

تجھے ہم دلی سمجھتے جو نہ بادِ خواہ ہوتا

ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
 تجاہلِ پیشگی سے مدعا کیا
 نوازشِ ہائے بے جاد دیکھتا ہوں
 نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
 ہوس کو پاس ناموسِ وفا کیا
 فرورغِ شعلہٴ خس بیک نفس ہے
 تعافلِ ہائے ساقی کا بگلا کیا
 نفسِ سوچِ محیطِ خودی ہے

دماغِ عطرِ پیراہن نہیں ہے غمِ آوارگی اُسے صبا کیا
 سُن لے غارتِ گرجنِ فائن شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا
 دل ہر قطرہ ہے سا نہ انا البحر ہم اُس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا
 محابا کیا ہے میں خاصِ ادھر دیکھ شہیدانِ نگہ کا خوں بہا کیا
 کیا کس نے جگہ داری کا دعوے فکیبِ خاطرِ عاشق بھلا کیا
 یہ قاتل وعدہ صبرِ آزما کیوں یہ کافرِ فتنہ طاقِ ربا کیا

بٹائے جہاں ہو غالب اُس کی ہر بات

عبارت کیا ۲ اشارت کیا ۱۰ دا کیا

درِ محرقہ و غضبِ جب کی بیہ سمانہ ہوا پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہوا
 بندگی میں بھی آزادہ و خود ہیں ہیں کہ ہم اُسے پھر آئے دیکھ بے اگر وہ نہ ہوا
 سب کے مقبولِ جودِ حویٰ تری کی تائی کا رو برو کوئی بہت آئینہ سیمانہ ہوا
 کم نہیں نازشِ ہمتائی چشمِ خوباں تیرا ہمارا کیا ہے گر اچھا نہ ہوا
 سینہ کا نافع ہے نہ کہ لبِ نکث گیا خاک کا زرقِ جودہ قطرہ کہ دیا نہ ہوا
 نام کا میچے جودہ دکھ کہ کسی کو نہ ملا کام میں میچے ہے فتنہ کہ برپا نہ ہوا

ہرین مو سے ہم ذکر نہ چکے خوں ناب
خمر کا قصہ ہوا عشق کا چرچانہ ہوا
قطرہ بین حلقہ کھائی نہ لے و خرو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دیدہ بینانہ ہوا
تھی خبر گرم کہ غالب کے اٹھ گئے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے یہ تماشا نہ ہوا

اسد! ہم وہ جنوع لاں گئے بے سرو پا ہیں
کہ ہے سپر خجہ شرکان پہلو پشت خارا پنا
پئے تذکر کم تھہ ہے شرم نارسانی کا
بخوں غلطیہ صد گنگ عوی پارسانی کا
نہ جو حسن تماشا دوست سونے فانی کا
پہر صد نظر ثابت ہی دعوی پارسانی کا
نہ کوہ حسن بے لے جلوہ بینش کہ مہر آسا
پیراغ خانہ در ویش ہو کا سر گردانی کا
نہ مارا جان کہ بے جرم قاتل تیری گردن پر
رہا مانید خون بے گنہ حق آشنائی کا
تمنائے نباں عو سپا میں بے زبانی ہے
مشاہد سے تقاضا شکوہ بے دست و پائی کا
وہی کیا ہے جویاں نفس و ان کہت گل ہے
چمن کا جلوہ باعث ہی مری نگیں لائی کا
دہان ہریت پیغارہ جو خمیر سوائی
عدم تکبے و فاجر چاہیے ہی بکو فانی کا

نہ ہے نامہ کو اتنا طول غالب مختصر لکھ دے

کہ حسرت نہج ہوں عرض ستمائے جدائی کا

گر نہ اندہ شبِ فرقت بیاں ہو جائے گا
بے تکلفِ داغِ بہ مہرِ ہاں ہو جائے گا
زہرہ گریسا ہی شامِ بھریں ہو جائے گا
پرتوِ مہتابِ سیلِ خانہاں ہو جائے گا
لے لوں سوتے میں کچے پاؤں کا بوسہ مگر
ایسی باتوں سے کہ فرید گماں ہو جائے گا
دل کو ہم صوفیہ فاجے تھے کیا معلوم تھا
یعنی یہ پہلے ہی نذرِ استحاں ہو جائے گا
سبکِ دل ہیں جگہ میری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا ایک زمانہ مہرِ ہاں ہو جائے گا
گر لگا و گرم نہ راتی رہی تسلیم ضبط
شعلہ خس میں چھین گئی نہاں ہو جائے گا
باغ میں ٹھکڑے جامدہ میرے حال پر
ہر گلِ ترا کی چشمِ نوحں نشان ہو جائے گا
واہے گریہ ترا انصافِ محشر میں نہ ہو
اب تک کہ قیامت ہے کہ واں ہو جائے گا

فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانہ ہے اسد

دوستیِ ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

دردِ منت کششِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا بُرا نہ ہوا
جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو
اک تماشا ہوا گلا نہ ہوا
ہم کہاں قسمتِ آزمانے جاؤں
تو ہی جب خنجرِ آزمانے ہوا
کتنے شیریں میں تیرے لب کہ رقیب
گالیاں کھا کے بے غرا نہ ہوا
ہے خبرِ گرمِ گن کے آنے کی
آج ہی گھر میں پوریا نہ ہوا

کیا وہ نرود کی خدائی تھی بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا
جان دی دی ہوئی اُسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
زخم گردب گیا ہو نہ تھا کام گر دک گیا روا نہ ہوا
دہرائی ہے کہ دستانی ہے لے کے دل دستاں روانہ ہوا

کچھ تو پڑھئے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

گلابے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا گہریں محو ہوا اضطراب دریا کا
یہ جانتا ہوں کہ تو اور پانچ مکتوب مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا
جھٹائے پائے خزاں ہے بہار اگر ہے یہی دوامِ کلفتِ خاطر ہے عیشِ دنیا کا
عجمِ فراق میں تکلیفِ سیرِ باغِ نہ وہ مجھے دماغ نہیں خندہ ہائے بے جا کا
ہنوز محرمیِ حسن کو ترستا ہوں کیسے ہے ہر بُن ہو کامِ چشمِ بینا کا
دل اس کو پہلے ہی ناز و ادا سے ڈیٹھے ابیں دماغ کہاں حُسن کے تقاضا کا
نکہہ کہ اگر یہ بقدرِ اجسرتِ دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و پنج دریا کا

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یاد آسدا

جفا میں اس کی ہے اندازِ کارِ فرما کا

نظر سے بسک میرت سے نفس پر دم ہوا
 خطا جاہ سے سراسر رشتہ گوہر ہوا
 اعتبارِ عشق کی غایہ خسرا بی دکھنا
 غیر نے کی آہ بسک دہخا مجھ پر ہوا

جب بے تقریب سفر بانی محل بادھا تپش شوق نے ہر ذرہ پاک لہا بادھا
 اہل نیش نے چہیرت کدہ شوخی داد جوہر آئینہ کو طوطی بسل بادھا
 یاس امید نے یک عرب میدان لانکا عجزِ حمت نے نظمیں لہ ساکن بادھا
 نہ بندھے تشنگی شوق کے مضموں غالب
 گر چہل کھول کے دریا کو بھی حاصل بادھا

میں اور فریم سے یوں تشنہ کام آؤں گر میں نے کی تھی تو بہ ساقی کو کیا ہوا تھا
 ہے ایک تیر جہیں دنوں چھپے چھپے ہیں وہ دن گئے کہا پنا دل سے جگر جدا تھا
 دہانہ گی میں غالب کچھ بن چھپے تو جالوں
 جبے فتنے بے گرہ تھا باطن گرہ کٹا تھا

گھر ہزاروں روئے بھی تو دیراں ہوتا بحر گر بحر نہ ہوتا تو یہاں ہوتا
 تنگی دل کا بگلا کیا یہ وہ کا فوٹل ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
 بعد ایک عمر شروع بار تو دیتا بارے کاش جنوں ہی نہ رہا کہ وہاں مہرما
 نہ تھا کچھ نہ خدا تھا کچھ نہ ہوتا تھن رہتا ڈلو یا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں کیا ہوتا
 ہوا جب غم سے ہیں جس تو غم کیا سرکے کٹنے کا نہ ہوتا اگر جداتن سے تو زانو پر دھرا ہوتا
 ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
 وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

ایک ذمہ زیں نہیں بے کار باغ کا یاں جادہ بھی فقیہ ہے لار کے داغ کا
 بے نے کسے بے طاقت آشوب آگاہی کھینچا ہے بحر حوصلہ نے خط باغ کا
 بیل کے کاڑ بار پہیں خندہ ہائے گل کہتے ہیں کہ عیش نعل ہے داغ کا
 تازہ نہیں ہے نشہ کھر سخن مجھے تریا کی قدیم ہوں دو دو چراغ کا
 سو بار بند عشق سے آنا دم ہوئے پر کیا کریں کہ دل ہی دہوئے فراغ کا
 بے عن دل جو چشم میں موج نگہ غبار یہ میکہ خراب ہے کے سراغ کا

باغ شگفتہ تیرا باغ نشا و دل

ہر بہار ٹھکڑہ کس کے داغ کا

وہ مری پیریں مجھ سے غم پہناں سمجھا
 ایک الف بیش نہیں صقیل آئینہ ہنوز
 شرح مسباب گرفتاری خاطر مت پوچھ
 بدگمانی نے نہ چاہا اُسے سرگرم غلام
 بجز سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا
 سفر عشق میں کی ضعف نے احت طلبی
 تھا گریزاں خرقہ یا بسے دل تادم مرگ
 دفع ہیکان قضا اس قدر آساں سمجھا
 راہ مکتوب بے روٹی عنوان سمجھا
 چاک کرتا ہوں میں جب گریباں سمجھا
 اس قدر تنگ ہوا دل کہ میں نہاں سمجھا
 ٹیخ پہ ہر قطرہ عرق دیدہ حیراں سمجھا
 نبضِ خس سے تپش شدہ سُرناں سمجھا
 ہر قدم سایہ کوئیں اپنے شبستاں سمجھا
 دفع ہیکان قضا اس قدر آساں سمجھا

دل دیا جان کے کیوں اس کو وفا دار اسد

غلطی کی کہ جو کافر کو مسلمان سمجھا

پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا
 دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
 سادگی ہائے تمتا یعنی
 عذربہ اماندگی لے حسرت دل
 دل جگر تشنہ فریاد آیا
 پھر ترا وقت سفر یاد آیا
 پھر وہ نیزنگ نظر یاد آیا
 نالہ کرتا تھا جگر یاد آیا
 کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
 زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی

آہ وہ جرات نہریا د کہاں دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
 پھر تم کو چہ کو جاتا ہے خیال دلِ گم گشتہ مگر یاد آیا
 کوئی دیرانی سی دیرانی ہے دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
 کیا ہی دنوں سے لڑائی ہوگی گھر ترا خُلسہ میں گریا د آیا

میں نے جنوں پہ لڑکپن میں آسد

سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا

ہوئی تاخیر تو کچھ باعثِ تاخیر بھی تھا آپ آتے تھے مگر کوئی عیاں گیر بھی تھا
 تم سے بچا ہے مجھے اپنی تباہی کا رگلا اس میں کچھ شائبہ خوبی تقدیر بھی تھا
 تو مجھے بھول گیا ہو تو پتہ بتلا دوں کبھی فزاک میں تیرے کوئی پنخیر بھی تھا
 قید میں تھی تم سے جوشی کو دمئی لف کی یا ہاں کچھ اک بچ گرا تباری زنجیر بھی تھا
 بھلی اک ندائی آنکھوں کے آگے تو کیا بات کرتے کر میں لب تشنہِ تقریر بھی تھا
 بسفُوح کہوں اور کچھ نہ کہے خیر ہوئی گر بگڑ بیٹھے تو میں لائقِ تعزیر بھی تھا
 دیکھ کر غیر کو ہو کیوں نہ کیچے ٹھنڈا نار کرتا تھا ولے طالبِ تاثیر بھی تھا
 پیشہ میں عیب نہیں رکھئے نہ فراد کو نام ہم ہی آشفۃ سفر میں جوان میر بھی تھا

ہم تھے مرے کو کھڑے پائش آیا نہ ہسی آغاس شوع کے ترکش میں کیٹی تیر بھی تھا
پکڑے جا تے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا
ریختی کے تھی استاد نہیں ہو غالب
کہتے ہیں اگلے زمانے میں کیٹی میر بھی تھا

لب خشک لہ لنگی مُردگان کا زیارت کدہ ہوں ل آزر دگان کا
ہمہ نا امیدی ہمہ بدگمانی
میں ل ہوں فریب فاخر دگان کا

تو دوست کسی کا بھی شکر نہ ہوا تھا اوروں پہ چڑھ ظلم کہ ٹھہر نہ ہوا تھا
پھوڑا مرہ خشب کی طرح دستِ آغوش خورشیدِ ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
توفیق باندا زہمت ہے ازل سے آنکھوں میں سے وہ قطرہ کہ گواہ ہو تھا
جب تک کہ نہ دیکھا تھا قیدار کا عالم میں معتقدِ فتنہِ محشر نہ ہوا تھا
میں سادہ دل آزر دگی یا رے خوش ہوں یعنی سبقِ شوقِ مکرر نہ ہوا تھا
دیوانے صافی تنگ آتی ہے ہوا خشک میرا سر دامن بھی بھی تر نہ ہوا تھا

جاری تھی آسداغ جگرے مے تحصیل
آشفکہ جاگیر سمندر نہ ہوا تھا

شبکہ وہ مجلس خرد خلوتِ ناموس تھا رشتہ شمعِ خاکی کسوتِ فانوس تھا
شبہ عاشق کے سوں بکج آگتی ہے حنا کس قدر یارِ بیکِ حسرتِ پاؤس تھا
حاصلِ الفت نہ دیکھا بجز شکستِ آرزو دلِ بے دل ہویتِ گویا ایک لہوِ بوس تھا
کیا کہوں بیمارِ مئی غم کی فراغتِ کیاں
جو کہ کھایا خونِ دل بے منتِ کیوس تھا

آئینہ دیکھ اپنا سامنے لے کر رہ گئے صاحبِ دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
قاصد کو اپنے ہاتھ سے گرون نہ مایہ
اُس کی خطا نہیں ہے میرا قصور تھا

عرضِ نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے دل نہیں رہا
جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لئے ہوئے ہوں شمعِ کشتہ درِ غورِ محض نہیں رہا

مرنے کی لئے لادیں تیر کر کہ میں نمایاں دست و خیمہ قاتل نہیں رہا
 ہرے سٹش جہت درآئینہ بانہ ہے یاں امتیاز ناقص کا بل نہیں رہا
 واکرئیے میں شوق نے بندہ نقابِ حسن غیر از نگاہ اکب فی حائل نہیں رہا
 گوئیں رہا برینِ بستم ہائے روزگار لیکن ترخیال سے غافل نہیں رہا
 دل سے ہوئے کشتِ فامٹ گئی کر دہا جیل سوائے حسرتِ حاصل نہیں رہا

میدادِ عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسد

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

رشک کہتا ہوں کہ اسکا غیر سے افلاصیت عقل کہتی ہوں کہ وہ بے مہر کس کا آشنا
 ذرہ ذرہ ساغیر میخانہ تیرنگ ہے گروہِ مجنون کچھ کھائے یسے آشنا
 شوق ہے ماں طرانا زرش اربابِ عجز ذرہ مہر ادست گاہ قطرہ ریا آشنا
 میں ہوں کف کلکڑوہ دلِ وحشی کہ ہے عافیت کا دشمن و آوارگی کا آشنا
 شکوہ سنج رشک ہر گز نہ رہنا چاہئے میرا زانو مولس درآئینہ تیرا آشنا

کو کج نقاش یک تمثالِ شیریں تھا اسد

سنگ سے سہرا کر ہوئے نہ پیدا آشنا

ذکر اس پری وش کا اور پھر یہاں اپنا بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا
 مے وہ کیوں بہت پیٹے تیرم غیر میں یارب آج ہی ہوا منظور اُن کو امتحاں اپنا
 منظر اک بلندی پر اور ہم بنا سکتے عرش سے اُدھر موتا کا شکے مکاں اپنا
 مے وہ جب قدر آت ہم ہنسی میں لیں گے باسے آشنا نکلا ان کا پاساں اپنا
 درِ دل لکھوں کہ بتا جاؤں اُن کو دکھلا دوں انگلیاں نگار اپنی خانہ چوکاں اپنا
 گہستے گہستے مٹ جاتا اپنے جہت بدلا تنگ سجدے سے میرے سنگِ آستان اپنا
 تاکے نہ غازی کر لیا ہے دشمن کو دوست کی شیکائیں مجھے ہیزاں اپنا

ہم کہاں کو آنا تھے کس ہنرمیں کہتا تھے
 بے سبب ہوا غالب دشمن کہاں اپنا

سرِ مہفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
 کہ رہے چشم خریدار پہ احساں میرا
 رخصتِ نالہ مجھے دے کہ مباد اظالم
 تھے چہرے سے ہوا ہر غم پہناں میرا

غافل وہم نازِ خود آ رہے در دنیاں بے شانہ نصیبِ اینہیں طرہ گیا کا
 بزمِ قہق سے عشرِ تمنا نہ رکھ کر رنگ صیدِ ندامتِ جنت ہے اس دامگاہ کا
 جنت اگر قبول کیے کیا بعید ہے شرمندگی سے غدر کرنا گناہ کا
 مقتل کو کس نشاط سے جاتا ہوں میں کہ ہے پر گل خیالِ خم سے من نگاہ کا
 جاں دہوئے یک نگہ گرم ہے اسد

پروانہ ہے کوئل ترے داد خواہ کا

جور سے باز آئے پر باز آئیں کیا کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھلائیں کیا
 راتِ نگریش میں مہرِ سات آسمان ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا
 لاگ ہو تو اس کو ہم سمجھیں لگاؤ جب ہو کچھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 ہوئے کیوں نامہ بر کے ساتھ ساتھ یارب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
 مہجِ خوں سے گز رہی کیوں نہ جلے آستانِ یارب سے اٹھ جائیں کیا
 عمر بھر دیکھا کیئے مرنے کی راہ مر گئے پر دیکھئے دکھلائیں کیا

پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے

کوئی بتلا دو کہ ہم بتلائیں کیا

لطف بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی چمن رنگار ہے آئینہ باد بہاری کا
 حریف جوشش دریا نہیں خود داری حاصل
 جہاں ساقی ہو تو باطل ہے دعویٰ ہوشیاری کا

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا	درو کا حد سے گزرتا ہے دوا ہو جانا
تجھ سے قسمت میں ہی صورتِ فضلِ ابجد	تھا لکھ بات کے بنتے ہی تجھ کو جانا
دل ہوا شکستِ چارہ رحمت میں تمام	مٹ گیا گھسنے میں اس عقہ کا دوا ہو جانا
اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ	اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا
صفت سے گر یہ مبتدل ذہم سرد ہوا	باد آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے ٹہنا تیری انگشتِ حنائی کا خیال	ہو گیا گوشت سے ناخن کا جدا ہو جانا
ہے مجھے ابر بہاری کا برس کر کھلنا	روتے روتے غمِ فرقت میں فنا ہو جانا
گر نہیں کھبت گل کو حرمے کوچ کی ہوس	کیوں ہے گردِ رہِ جولانِ صبا ہو جانا
تاکہ تجھ پر کھلے اعجازِ ہوائے صیقل	دیکھ برسات میں سبز آئینہ کا ہو جانا

بخشے ہے جلوہ گل ذوقِ تماشا غالب

چشم کو چاہیے ہر رنگ میں دوا ہو جانا

پھر ہوا وقت کہ ہوا بال کشا موج شراب
 پوچھ مت دھیر سیہ مستی ارباب چمن
 جو ہوا غرقہ نے بخت رسا رکھتا ہے
 ہے یہ ہر سات موہم کہ عجب کیا ہے اگر
 چار موج اٹھتی ہے طوفان طرب سے ہر سو
 جس قدر صبح بناتی ہے جگر تشنہ ناز
 بسکہ دھڑی ہر گاہ تاک میں غن جو کر
 موج گل سے چراغاں ہے گزرو گا و خیال
 نقشہ کے پردہ میں ہے جو تماشاے ضائع
 ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیتِ فصل
 شرح ہنگامہ ہستی ہے زہے موسم گل
 دے بڑے کون دست شناس موج شراب
 سایہ تاک میں بہتی ہے ہوا موج شراب
 سر سے گزے پہ بھی ہوا بال کشا موج شراب
 موج ہستی کو کہ فیض موج شراب
 موج گل موج شفق موج صبا موج شراب
 دے ہے شکیں ہم آب بقا موج شراب
 شہر رنگ سے ہوا بال کشا موج شراب
 ہے تصویریں بس جلوہ نما موج شراب
 بسکہ رکھتی ہے سر نشوونما موج شراب
 موج سبزہ فیض سے تا موج شراب
 ہر قطرہ بدایا ہے خوشاموج شراب

ہوش اٹتے ہیں مے جلوہ گل دیکھ اسد

پھر ہوا وقت کہ ہوا بال کشا موج شراب

افسوس کہ دندان کا کیا رزق خاک نے
 جن لوگوں کو تھی درخوردِ عقدِ گہرِ انگشت
 کافی ہے نشانی تیرے پھلے کا نہ دینا
 خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفرِ انگشت
 کھتا ہوں آسِ سوزِ دل سے سخنِ گرم
 تار کھنڈ سکے کوئی مرے حرف پر انگشت

رہا اگر کوئی تاقیامت سلامت
 پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت
 جگر کو مرے عشقِ خونناہِ بمشرب
 کہے ہے خداوندِ نعمت سلامت
 علی الرغمِ دشمنِ شہیدِ وفا ہوں
 مبارک مبارک سلامت سلامت
 نہیں گرسر و برگِ اور اک معنی
 تماشائے نیرنگِ صورت سلامت

منہ گئیں کھوئے ہی کھوئے آنکھیں غالب
یار ملائے مری بالیں پہ اُسے پکڑت؟

آہِ خط سے ہوا ہے سرو جو بازارِ دوست
اے دلِ ناعاقبت اندیش جنبِ شوق کر
خاند ویراں سازی حیرت تماشا کیجئے
عشق میں بیدارِ شکاکِ غیر نے مارا مجھے
چشمِ مار و شن کہ اس بید کا دل شاد ہے
غیر لوں کرتا ہے میری پریشاں کیے حجر میں
تا کہ میں جانوں کہ جسکی سائی و تن ملک
جبکہ میں کرتا ہوں تپا شکوہ ضعفِ دماغ
چپکے چپکے جھکے روتے دیکھ پاتے ہے اگر
مہرمانی ہئے دشمن کی شکایت کیجئے

وہ شمع کشتہ تھا شاید خطِ رخسارِ دوست
کون لا سکتا ہے تپ جلوہ دیدارِ دوست
صورتِ نقش قدم ہوں نقشِ رفتارِ دوست
گشتہ دشمن ہوں اگر گرچہ تھا بیمارِ دوست
دیدہ پرتوں ہمارا سا رخِ سرشارِ دوست
بے تکلفِ دست ہو جیسے کئی غنوارِ دوست
بھٹکے دیتا ہی پیامِ وعدہ دیدارِ دوست
سرکے ہے وہ حشرِ زلفِ غیرِ دوست
ہنس کے کرتا ہے بیانِ شوقی گفتارِ دوست
یا بیاں کیجئے سپاسِ قدرتِ آزارِ دوست

یہ غزل انی مجھے جی سے پسند آئی ہو آپ
ہے دلیفِ شعر میں غالب بس تکرارِ دوست

کلیں میں بند و بست لگ گئی ہے آج قمری کا طوق حلقہ یزید سے آج
 آٹھ ایک پارہ دل ہر نقا کے تھ تارِ نفس کندہ شکارِ اثر ہے آج
 اے عافیت کناؤ کر لے انتظارِ حل
 سیلابِ گریہ دیرپے دیوارِ درد ہے آج

لو ہم مریضِ عشق کے تیسارے ہیں
 اچھا اگر نہ ہو تو مسیحا کا کیا علاج؟

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
 کمالِ گرمی سعیِ تلاش دید نہ پوچھ بزمِ خامے آئینہ سے جوہر کھینچ
 تجھے بہانہ ماحبتِ انتظار لے دل کیا ہے کس نے اشارہ کہ تارِ بستر کھینچ
 تیری طرف سے حسرتِ نظارِ زر گس بکوری دل و چشمِ رقیبِ باغر کھینچ
 بنیم غمزداد اگر حق و دیوبت ناز نیام پرودہ زخمِ جلوسے خنجر کھینچ
 مے قیج میں ہر صبا اے آتشِ نہال
 برفِ صفرِ کبابِ دلِ سمندر کھینچ

حُسنِ غمزہ کی کشاکش سے چٹھائی سے بعد
 منہ بے شیفتگی کے کوئی قابلِ درنا
 شمع بجھتی ہے تو اس سے دھواں اُٹھتا ہے
 خاکِ دل میں حوالہ ہوتا ہے پریشانی
 باہر سے آرام سے ہیں اہلِ جنائیسے بعد
 ہوتی مغزولی اندازِ وادائیں سے بعد
 شعورِ عشق سے پوششِ جنائیسے بعد
 ان کے ہنسنے سے محتاجِ جنائیسے بعد
 نگہِ ناز ہے سر سے جنائیسے بعد
 درِ خورشید میں جو ہر پہلو کو جا
 کون ہوتا ہے حریفِ مردِ مگر عشق
 ہے مکر و لبِ ساتی پہ صلائیے بعد
 غم سے مرثیوں کے اتنا نہیں دنیا میں کوئی
 کہ کہے تغریبِ بہرِ وفائیے بعد

آئے ہے بیکسی عشق پہ رونا غالب
 کس کے گھر جائیگا سیلابِ بلائیے بعد

بلائیے ہیں جو پیشِ نظرِ درو دیوار
 و فوراً شک نے کاشا زکایا یہ رنگ
 نگاہِ شوق کو ہیں بال پر درو دیوار
 کہ ہو گئے مرنے دیوار و درو دیوار
 گئے ہیں چند قدمِ پشتِ درو دیوار
 کہ مسرت تھے کوچ میں ہر درو دیوار
 کہ ہیں دکانِ متاعِ نظر و دیوار
 کہ گھر ٹپٹے سے پاؤں پر درو دیوار
 بلاتے ہیں جو پیشِ نظرِ درو دیوار
 و فوراً شک نے کاشا زکایا یہ رنگ
 نہیں ہے سایہ کہ شکرِ نویدِ مقدمِ یار
 ہوئی ہے کس قدر اندانی سے جلاؤ
 جبے تھے ہر سوداے انتظار تو آ
 مجھ گروہ کا سامان کب کیا میں نے؟

وہ آرامے ہمایہ میں تو سایہ سے ہوئے فدا درو دیوار پر درو دیوار
 نظریں کھٹکے ہیں تیرے گھر کی آبادی ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درو دیوار
 دپوچھ بخودی عیش مقدم سیلاب کہنا چتے ہیں ٹپے سرسیر درو دیوار
 نہ کہہ کسی سے کہ غالب نہیں نہ لائے میں

حریف را ز محبت، مگر درو دیوار

گھر جب بنا لیا تو در پر کہے بغیر جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر
 کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقت سخن جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر
 کام اس کے اڑا ہے کہ جس کا جہان میں یوں نہ کوئی نام تمسک کہے بغیر
 جی میں ہی کچھ نہیں ہے ہائے دگر نہ ہم سرعائے یار ہے نہ ہیں پر کہے بغیر
 چھوڑوں گائیں اُس بُت کا فرکا پوجنا چھوڑے خلق کو مجھے کانسو کہے بغیر
 مقصد ہے ناز و غمراہ و لے گفتگو میں کام چلتا نہیں ہے دشمن و خنجر کہے بغیر
 ہر چیز ہو مشاہد حق کی گفتگو بنتی نہیں ہے باد و ساغر کہے بغیر
 بہر ہوں میں تو چاہیے دُعا ہوا التفات سقتا نہیں ہوں بات مکر کہے بغیر

غالب نہ کہ حضور میں تو بار بار عرض

ظاہر ہے تیرا حال سب اُن پر کہے بغیر

کیوں جل گیا نہ تاپِ رخ یار دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
 کیا آبروئے عشق جہاں عام ہو جفا
 آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
 ثابت ہو لے گردنِ مینا پہ خونِ خلق
 و احسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 بک جاتے ہیں ہم آپ تلخِ سخن کے سنا
 زنا رہا نہ سچہ صدائے تور ڈال
 ان بلوک پاؤں کے گجرا گیا تھائیں
 کیا بدگماں ہے مجھ سے کہ آئینہ میں سے
 گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر

سر چھڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا

یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

لڑتا ہوں مرادِ زحمت مہرِ درخشاں پر
 میں ہیں وہ قطرہِ شبنم جو ہو خایہ یاں پر
 نہ چھڑی حضرت یوسفؑ یاں بھی خاں آرائی
 سفید عادیہ یعقوب کی بھرتی ہو زیناں پر

فنا تعلیم دےں بخودی ہول س نہانے سے کہ جنوں اُم الف کھتا تھا دیوارِ بستان پہ
 فراغت کس قدر رہتی تھی تشویشِ مرہم سے بہم گم کر صلح کرتے پار ہائے دلِ نسکداں پر
 نہیں تعلیم الفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا کہ پشتِ چشم سے جس کے نہ تھے مہرِ عنوان پر
 مجھے اب دیکھ کر بے شفق آلودہ یاد آیا کہ فرقت میں تری آتش بستی بھی س پر
 بجزِ رِواڑِ عشوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا قیامت کہ توائے تندہی خاکِ شہیدان پر
 نہ درنا صحنے غالب کیا ہوا اگر اُس نے نشدگی

ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

ہے بسکہ ہر کائن کے اشارے میں نشان اور کرتے ہیں محبت تو گزرتا ہے گماں اور
 یارب نہ سمجھے ہیں سمجھیں گے مری بات ہے اور دل ان کو جو نہ سمجھو زبان اور
 ابرو سے ہے کیا اس نگہ ناز کو پیوند ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور
 تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم جائے نہیں گے لے آئیں گے بازار سے جاکر دلِ مجاں اور
 ہر چند سبکست ہوئے بت شکنی میں ہم ہیں تو بھی اہِ جن سنگِ گراں اور
 ہے خونِ جگر جو شہر میں دل کھول کے رہتا ہوتے جو کئی دیدہ ہوتا بہ فشاں اور
 مرتابوں اس آواز پہ ہر چند سُر اُڑ جائے جلاؤ کو بسکین دیکھے جائیں کہ ہاں اور
 لوگوں کو دے خورشیدِ جہاں تاب کا دمکا ہر روز دکھانا ہو پس اُلکِ داغِ نہاں اور

دیتا نہ اگر دل تمہیں لیتا کوئی دمِ چین
 کرتا جو نہ مڑا کوئی دن آہ و نغاں اور
 پاتہ نہیں جب آہ تو چڑھ جائے تالے
 رگبتی ہے مری طبع تو ہوتی بڑاں اور
 ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
 کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

صفائے حیرت آئینہ ہر سامانِ رنگِ آخر
 تغیر آئے جا ماندہ کا پاتا ہے رنگِ آخر
 دکی سلمانِ عیش و جاہ نے تیر و حشر کی
 ہوا جامِ زمرہ بھی مجھے دلِخ پلنگِ آخر
 جنوں کی دنگیری کس ہو کر موندِ عربانی
 گریباں چاکِ حق ہو گیا ہے میری گدی پر
 بزرگ کا غذا آتشِ نودہ نیزنگِ بے تابی
 ہزار آئینہ دل یا نیسے ہے بالِ یک پید پر
 فلکِ ہمویشی فدا کیا کیا تقاضا ہے
 متاعِ بردہ کو سمجھے ہوئے ہیں قرضِ ہزن پر
 ہم اور وہ بے سبب بچا آشنا دشمن کہ کہتا ہے
 شجاع ہرے تہمتِ نگر کی چشمِ وزن پر
 فنا کو سوچ کر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا
 فروغِ طالعِ خاشاک ہی موقوفِ گلخن پر
 آسودہ دل جو کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے
 خوشنقِ نازکِ خونِ دو عالم میری گردن پر

شکمش مصلحت ہوں کہ خواباں تجھ پہ عاشق ہیں
مختلف ہر طرف بل جائے گا تجھ سارے قریبِ آخر

تہنا گئے کیوں اب ہوتہنا کوئی دن اور	لازم تھا کہ دیکھو مرا سنا کوئی دن اور
ہوں در پہ تم سے ناصیہ سا کوئی دن اور	مٹ جائیگا سرگرترا پتھر نہ گھسے گا
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور	آئے ہو کل اس صبح ہی کہتے ہو کہ جاؤں؟
کیا خوب قیامت کا ہو گیا کوئی دن اور	جالتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا تیرا بگڑا جو نہ مرنا کوئی دن اور	ہاں لے فلک پر جواں تھا ابھی عارف
پھر کیوں رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور	تم ماہ و شب چار دم تھے مرے گھر کے
کرنا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور	تم کوئی ایسے تھے کھرے داد و ستد کے
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور	بھرتے تھیں نفرت بھی تیرے لڑائی
کرنا تھا جوں مرگ گزرا کوئی دن اور	گزری نہ بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب
قسمت میں ہو مرنے کی تمت کوئی دن اور

فانی مجھے نہ جان کہ مانند صبح و ہر ہے داغِ عشق زینتِ جب کفن ہنوز
 ہے نازِ مفلسانِ زرد از دستِ پر ہوں گلِ فروزشِ شوخیِ داغِ کہن ہنوز
 میخانہِ جگر میں یہاں خاک بھی نہیں
 خمیازہ کھینچے ہے بتِ بیدارِ دفن ہنوز

حرارتِ مطلبِ مشکل نہیں فسونِ نیاز دعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضر دراز
 نہ ہو بہ ہرزہ ہیا باں نور و دہم و جو ہنوز تیرے تصویر میں انشیتِ فراز
 وصالِ جلوہ تماشا ہے پر داغِ کہاں کہ دیکھے آئینہ انتظار کو پرواز
 ہر ایک عاشق ہے آفتابِ پرست گئی نہ خاکِ مٹے پر مولے جلوہ ناز
 نہ پوچھے وسعتِ میخانہ جنوں خائب
 جہاں یہ کاسِ گردِ دل ہی ایک خاکِ انداز

وسعتِ سعیِ کرم دیکھ کہ ستراسر خاک گزرتے ہے ابلہ پا ابر گہر بار ہنوز
 یک قلم کا غدا تیش زدہ ہے صنمِ دشت
 نقشِ پامیں ہے تپ گرمیِ رفتارِ ہنوز

کیونکر اس بت سے کھوں جان غریزہ کیا نہیں ہے مجھے ایمانِ عشقِ
 دل سے بکھلا پہ نہ بکھلا دل سے ہے ترے تیر کا پیکانِ عشقِ
 تاب لائے ہی بنے گی غالب

واقعہ سخت ہے اور جانِ بخیر

نے گلِ نغمہ ہوں نہ پردہ ساز میں ہوں اپنی شکست کی آواز
 تو اور آرائشِ خیم کا کل نہیں اور اندیشہ ہائے دورِ دراز
 لافِ تمکینِ فریبِ سادہ دلی ہم ہیں اور رازِ ہائے سینہ گداز
 ہوں گرفتِ ابرالغیبِ صبیحہ ورنہ باقی ہے طاقتِ پرداز
 وہ بھی دن ہو کہ اس شکر سے ناز کھینچوں بجائے حسرتِ ناز
 نہیں دل میں سرے وہ قطرہ نول جس سے شرکاں ہوئی نہ ہو گل باز
 ابے تراغزہ یک قلمِ انگیز لے ترا ظلم سر بسر انداز
 تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو ریزشِ سجدہ جبینِ نیاز
 مجھ کو پوچھا تو کچھ غضب نہ ہوا میں غریب اور تو غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا

لے دریا وہ رنیر شاہد باز

شردہ لے ذوقِ اسیری کر نظر آتا ہے دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس
 جگرِ شدہ آزارِ ستی نہ ہوا جوئےِ خوں بہم نے بہائی بُنِ بھانکے کے پاس
 مُنگدائیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں ہے خوبِ وقت کے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
 میں بھی کک کے نہ مرا جو زبانِ کبیرے دشنہ اک تیز سا ہوتا مے ٹھواری کے پاس
 دہنِ شیر میں جا بیٹھیں لیکن لے دل نہ کھڑے ہو جیسے خوبانِ دلِ زار کے پاس
 دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ ٹوکر تابتے خود بخود ہنچے پر گل گوشتِ ستار کے پاس

مر گیا پھوڑ کے سرِ غالب و جشی ہے

بیٹھنا اس کا وہ اگر تری دیوار کے پاس

ذلیوے گر خنس جو ہر طراوتِ سبزہ خط ہے

لگائے خاندانِ آئینہ میں بے نگارِ آتش

فروغِ حسن سے ہوتی ہے حلِ مشکلِ عاشق

نہ کھلے شمع کے پاس نکالے گر نہ خارِ آتش

جاؤ رہ غور کو وقتِ شام پر بارِ شعاع چراغِ دا کرتا ہوا دلو سے آغوشِ وداع

سُرخِ کاسے ہے سوزِ جاودانی شمع ہوئی ہر آتشِ گلِ آپِ زندگانی شمع
 زبانِ اہلِ زباں میں ہو مرگِ خاموشی یہ باتِ بزم میں روشن ہوئی زبانی شمع
 کہے ہے صرف بایکے شعلے قصہ تمام بطورِ اہلِ فناء ہے فناءِ خوانی شمع
 غم اس کو حسرتِ پرواز کا ہے اے شعلہ ترے لڑنے سے ظاہر بنے تو انی شمع
 ترے خیال سے روحِ اہتر اڑ کرتی ہے بجلوہِ ریزیِ باد و بہ پر فشا نی شمع
 نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھو شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانہ نی شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یاد پر مجھ کو
 نہ کیوں ہو دل پر مے داغِ بدگمانی شمع

بیمِ رقیبے نہیں کرتے وداعِ ہوش محبوبیاں تک ہوئے اے اختیارِ حیف
 جلتا ہے دل کہ کیوں ہم اک بار جل گئے
 اے ناتواںِ نفسِ شعلہ بارِ حیف

زخم پر چڑھیں کہاں طفلانِ بے پردہ تک کیا مزا ہوتا اگر تمہیں میں بھی ہوتا نمک
 گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ خشمِ دل ورنہ ہوتا ہی جہاں میں کس قدر پیدا نمک
 مجھ کو اذانی ہے تجھ کو مبارک ہو جیو نالہِ بیل کا درد اور خندہ کل کا نمک

شود حوالا تھا کنا بج پر کس کا کہ آج
داد دیتا ہے مے زخم جگر کی داہ داہ
گر دساحل ہے زخم موج دریا نمک
یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہو وہ جس جانمک
چھوڑ کر جانا تن خروچ عاشق حیف ہے
دل طلب کرتا ہے زخم داہنگیں ہیں اعضا نمک
غیر کی منت کھینچوں گا پیے تو فیروز
زخم مثل خندہ قاتل ہے سرتاپا نمک

یاد ہیں دن تجھے غالب کہ بعد ذوق میں
زخم سے گرتا تو میں پلکوں سے چنتا تھا نمک

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
دام ہرج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ
کون جیتا ہی تری لہف کے سر ہونے تک
دیکھیں کیا گنتے ہی قطرے پہ گہر مجھے تک
عاشقی صبر طلب اور منت اے تاب
ہم نے مانا کہ نفل نہ کرو گے لیکن
پر تو خور سے ہے شبیم کو فنا کی تعلیم
یک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غافل
گر ہی نرم ہے اک قصہ شر ہونے تک

غم ہستی کا آسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

گر تجھ کو ہے یقینِ اجابت دُعا نہ مانگ
یعنی بغیرِ یکِ دلِ بے دُعا نہ مانگ
آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمارِ یاد
مجھ سے مے گنہ کا حساب لے خدا نہ مانگ

ہے کس قدر ہلاکِ فریبِ وفائے گل	بلبل کے کارِ بارِ پیسِ خندِ ہائے گل
آزادیِ نسیمِ مبارک کہ ہر طرف	ٹوٹے ٹپے ہیں حلقہٴ دمِ ہوائے گل
جو تھا سو مہجِ رنگ کے دھوکے میں لگیا	لے وائے نالہِ فحشِ نہیں نوائے گل
خوش حال اس حریفِ سیرِ مست کا کہ جو	رکھتا ہو مثلِ سایہ گلِ مہرِ پائے گل
ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بہار	میرا قریب ہے نفسِ عطرِ سائے گل
شرمنڈ رکھتے ہیں مجھے بادِ بہار سے	مینائے بے شرارتِ دلِ بے ہوائے گل
سطوت سے تیرے جلوہٴ حسنِ غیور کی	خوں جو مری نگاہ میں لگائے گل
تیرے ہی جلوہ گاہ سے یہ دھوکا کہ آج تک	بے اختیارِ دھڑے ہو گلِ درِ قفائے گل

غالب مجھ سے ہم آغوشی آرزو

جس کا خیال ہے گلِ جیبِ قبائے گل

غم نہیں ہوتا ہے آزادوں کی بیش ازیک نفس برق سے کرتے ہیں وشن شمع ماتم خانہ ہم
 محفلیں برہم کئے ہے گنبد باز خیال ہیں درق گردانی نیزنگ یک بتخانہ ہم
 باوجود یک جہاں جنگار پیدا ہی نہیں ہیں چراغانِ شبستانِ دل پر دانہ ہم
 صفت ہے نہ قناعت یہ ترک جستجو ہیں وہاں کھیر گاہِ محبت مردانہ ہم

دائم الحبس اس میں ہیں لکھنؤ تنائیں سند

جاتے ہیں سینہ پر غول کو زنداں خانہ ہم

بنالہ محلِ دل بستگی فراہم کر متاعِ خانہ ذخیرِ جزو صد معلوم

عجھ کو دیا غریب میں مارا وطن سے دُور رکھ لی مے خدائے مری تبکیسی کی شرم

وہ حلقہ ہائے زلفِ کبیں میں ہیں اے خدا

رکھ لیجو میرے دعویِٰ ارستگی کی شرم

لوں دامِ محبتِ خفتہ سے یک خواہش دلے

غالبِ یخوت ہے کہ کہاں سے ادا کروں

وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شبِ بیدار و سال کہاں
 فرصتِ کار و بارِ غوق کسے ذوقِ نظر اُردہ جمال کہاں
 دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا شورِ سودائے خط و خال کہاں
 تھی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رعنائی خیال کہاں
 ایسا آساں نہیں لہو رونا دل میں طاقتِ جگر میں حال کہاں
 ہم سے چھوٹا قمار خانا عشق وال جو جائیں گہرہ میں لال کہاں
 فکرِ دنیا میں سر رکھتا ہوں میں کہاں اور یہ بال کہاں
 مغمض ہو گئے قولے غالب
 وہ عناصر میں اعتدال کہاں

کی وقایہ سے تو نیراس کو جفا کہتے ہیں ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو برا کہتے ہیں
 آج ہم اپنی پریشانی خاطر ان سے کہتے جاتے ہیں پردیکھے کیا کہتے ہیں
 اگلے قتل کے ہیں لوگ انہیں کچھ نہ کہو جو سے و نغمہ کو اندوہ رہا کہتے ہیں
 دل میں آجائے ہے جتنی ہو فرصتِ غمش سے اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
 ہے پئے سرِ جدِ ادراک سے اپنا مسجود قبلہ کو اہل نظر قبلہ بنا کہتے ہیں

پلے افکار پہ جب سے تجھے تم آیا ہے خایہ کو ترے ہم ہر گیا کہتے ہیں
اک شردل میں ہر اس کوئی گھبرائے گا کیا آگ مطلوب ہے ہم کو جو ہوا کہتے ہیں
دیکھ لاتی ہے اس شوخ کی نخوت کیا رنگ اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

دشنت و شیفۃ اب مرثیہ کہوں شاید
مرگیا غالب آشفستہ نوا کہتے ہیں

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آریدہ ہوں تیں دشت غم میں ہوئے صیاد و دیدہ ہوں
ہوں درد مند جبر ہو یا اختیار ہو گہہ تا لاکشیدہ گہہ شک چکیدہ ہوں
جاں لب اپنی تو کبھی ز شیریں ہوا دہن از بسکہ تلخی غم ہجران چشیدہ ہوں
نے سم سے علاقہ نہ ساغر سے اسط میں معرض مثال میں مت بُریدہ ہوں
ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہر محک و لاگ نے دانہ قتادہ ہوں نے دام چیدہ ہوں
جو چاہے نہیں وہ مری قدر و منزلت میں یوسفِ بقیعت اول خریدہ ہوں
ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہر مری جگہ ہوں میں کلامِ نغز فتنے ناشنیدہ ہوں
اہلِ صرع کے حلق میں ہر خند ہون لیل پر عاصیوں کے فرقہ میں میں گزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح آسہ
ڈرتا ہوں آئینہ سے کہ مردم گزیدہ ہوں

آبرو کیا خاکِ گل کی جو گلشن میں نہیں
ضعف لے کر۔ باقی کچھ مے تن میں نہیں
ہو گئے ہیں جمع اجستر نے نگاہِ آفتاب
کیا کہوں تا کی زندگی جسم اندھیر ہے
روقی ہستی ہو عشقِ خانہ دیراں ساز ہے
زخم سلوانے سے مجھ پر چا و جولی کھلے طعن
بیسکہ ہم ہیں اک بہارِ ناز کے مارے پھوٹے
قطرہ قطرہ اک ہیوولی ہے نئے نئے ناسور کا
لے گئی ساتی کی فحوت قلمِ آشای مری
ہر فشاں ضعف میں کیا ناتوانی کی شور

ہے گریباں تنگ پیراں جو دم میں نہیں
نگہ کے گراؤ گیا جنوں کے دامن میں نہیں
دے اسکے گھر کی دیواروں کے رون میں نہیں
پنبہ نور صبح سے کم جس کروزن میں نہیں
انجن بے شمع ہے گہر برق خرم میں نہیں
غیر تجھ ہے کہ لذتِ رخم سوند میں نہیں
جلوہ گل کے سوا گرد اپنے مدفن میں نہیں
خول بھی فوقِ درخشاں مے تن میں نہیں
مہجے کی آج رگ مینا کی گردن میں نہیں
قد کے بھکنے کی بھی گنجائش مے تن میں نہیں

تعمی طن میں شان کیا غالب ہو مغرت میں قدر
بے تکلف ہوں وہ مشیتِ خس کہ گلشن میں نہیں

جہدے سے مرع ناد کے باہر نہ آسکا
حلقے میں چشم ہائے کشادہ بسوئے دل

گر اک ادا ہو تو اے اپنی قضا کہوں
ہر تارِ زلف کو نگہ سیر سا کہوں

میں اور صد ہزار لوگے جب گریخاں
 تو اور ایک نشیدن کہ کیا کہوں
 ظالم مے گماں سے مجھے منفعل نہ چاہ
 ہے ہے! خدا نہ کردہ تجھے بے وفا کہوں

مہرباں ہو کے بلا لو مجھے چاہو جس وقت
 میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آہنی سکوں
 صنف میں طعنه اختیار کا شکوہ کیا ہے
 بات کچھ سرتو نہیں ہو کہ اٹھا ہنی سکوں
 زہر ملتا ہی نہیں جھک ستم گر در نہ
 کیا قسم ہے تم سے بنے کی کہ کھا ہنی سکوں

ہم سے کھل جاؤ وقت نے پرستی ایک دن
 ورنہ ہم چھڑیں گے رکھ کر غدرِ ستی ایک دن
 عرقِ اچھ بٹائے عالم امکان نہ ہو
 اس بلند کی گھنٹی بولیں پستی ایک دن
 فرض کی پیتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ ہا
 رنگ لگی ہماری فادہ ستی ایک دن
 نغمہ اٹھ لے لے کو بھی لے لے غنیمت جانئے
 بے صلہ ہو جائے گا یہ سادہ ستی ایک دن
 دعویٰ مٹتا اس سر پا ناز کا شیوہ نہیں
 ہم ہی کر بیٹھے تھے خائب پیشِ دشمن ایک دن

ہم پر جفا سے ترکِ وفا گاہاں نہیں
 اک چھڑ ہے دگر نہ مراد اتھاں نہیں
 کس منہ سے شکریہ کہئے اس لطفِ ناصح کا
 پریش ہو ادبائے سخن دریاں نہیں
 ہم کو ستم غریزہ ستمگر کو ہم عزیز
 نامہرباں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
 نہ دیکھے دشنام ہی سہی
 آخر زباں تو رکھتے ہو تم گرداں نہیں
 ہر چند جاں گدازئی قہر و عتاب ہے
 ہر چند پشت گرمی تاب تو اں نہیں
 جاں مطرب ترانہ ہل بن فرید ہے
 لب پر وہ سنج زمرہ الاماں نہیں
 ہے تنگ سینہ دل اگر آتش کدہ ہو
 بے حارِ دل نفس گدا در فشاں نہیں
 خنجر سے چیر سینہ اگر دل نہ ہو دو نیم
 دل میں چھری جھوٹو گرنو چکاں نہیں
 نقصاں نہیں جنوں میں بلا سے ہو گھر آتا
 سو گز زمیں کے بدلے بیاباں گراں نہیں
 کہتے ہو کیا لکھا ہے تری سز و سخت میں
 گویا جیسے سببِ بہت کا نشان نہیں
 پاتا ہوں اس سے داد کچھ اپنے کلام کی
 روح القدس اگر چہ راہم زباں نہیں

جاں ہے بسائے بوسہ دے کیوں کہے ابھی
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

مانع دشت نور دی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہے مے پاؤں میں زنجیر نہیں
 شوق اُفتاب میں دھٹکے ہر جھک کر جہاں جاوہرِ زنگبہرِ دیدہ تصویر نہیں
 حسرت لذتِ آناں رہی جاتی ہے جاوہرِ آوازِ وفا جُز دمِ شمشیر نہیں
 رنجِ نو مہدی جاوید گوارا رہیو خوش ہوں گر نالہ زبانی کُشِ تاثیر نہیں
 سر کھاتا ہے جہاں زخمِ سرا حیا ہو جائے لذتِ سنگِ ہندازہِ تقصیر نہیں
 جب کرمِ رخصتِ میا کی گستاخی ہے کوئی تقصیرِ بختِ نخلتِ تقصیر نہیں

غالباً پناہِ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
 آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ تمیر نہیں

مدتِ مردِ کب چشم میں سمجھو یہ بھکا ہیں
 ہیں جمعِ سیدائے دلِ چشم میں آہیں

برنگِ گلابِ گریہ عاشق ہے دیکھا چاہیے کھل گئی بانسِ گلِ سو جا سے دیوِ چمن
 اُلفتِ گل سے غلط ہے دعویٰ و استغنی مروتِ بادِ صوفِ آزادی گرفتِ ارچمن

عشقِ تائید سے نویں نہیں جانِ پیاری شجرِ بید نہیں
 سلطنتِ ست بدست آئی ہے جامِ خاتمِ جمشید نہیں
 ہے تجلی تری سامانِ وجود ذرہ بے پروا تو خورشید نہیں
 رازِ معشوقِ زُمر و احوالِ ورنہ مر جانے میں کچھ بھی نہیں
 گر دیشِ نگِ طرحِ ڈیلے غمِ محرومی جاوید نہیں
 کہتے ہیں جیتے ہیں اُمید پر لوگ
 ہم کہ جینے کی بھی اُمید نہیں

جہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں
 دلِ شفقنگاں خالِ کنجِ دہن کے سوید میں سیرِ عدم دیکھتے ہیں
 تھے سرو قیامت سے اکِ قیادوم قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
 تماشا کہ لے مجھ کو آئینہ داری تجھے کس قتلے سے ہم دیکھتے ہیں
 مرغِ تفتِ نازِ دماغِ دل ہے کہ شبر و کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
 ہمارے فقیروں کا ہم جیسے غالب
 تماشا کے اہلِ کرم دیکھتے ہیں

ملتی ہو خوشی سے نارالتہاب میں کافروں گردہ ملتی ہو سخت عذاب میں
 کہیں ہوں کیا بتاؤں جہانِ خراب میں شبِ بے سحر کو بھی کھوں گرجِ حساب میں
 تا پھر نہ انتظار میں غیند کے عسیر بھر آلے کا ہمد کمرے آئے جو خواب میں
 قاصد کے آتے آتے خطِ اک اور لکھ لکھوں میں جانتا ہوں جو لکھیں گے جواب میں
 مجھ تک کب ان کی بزم میں اتھا دور جاؤ ساقی نے کچھ لانا دیا ہو شراب میں
 جو منکر و فاجر منسرباں سے کیا چلے کیوں گمان میں دوستِ دشمن کے باب میں
 میں مضرب ہوں وصل میں خوفِ رقیب سے ڈالا ہے تم کو ہسم کے کس کج و تاب میں
 میں اور خطِ وصل خدا ساز بات ہے جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہے تیوری چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ہر اک خلکن ٹپڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
 لاکھوں لگاؤ ایک پُسرانا منگاہ کا لاکھوں بناؤ ایک بگڑنا عتاب میں
 وہ لڑل میں جس کے برابر جگہ نہ پائے جس نالہ سے شگاف پڑے آفتاب میں
 وہ سرمدِ عاطلی میں نہ آئے کام جس سحر سے سفینہ روانِ سحراب میں

غالب چٹھی شرابِ پرہاب بھی کبھی کبھی

پیتا ہوں روزِ برابر و شبِ ہتاب میں

کل کے لئے کراچِ درختِ شراب میں یہ سونپن ہے ساقی کوثر کے باب میں
 ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک تھی سپند گستاخی فرشتہ باری جناب میں
 جاں کیوں نکھنے لگتی ہے تن و ہم سماع گروہ صد اسمائی ہر چنگ رہا باب میں
 نو میں ہے خوش عمر کہاں دیکھے تھے نے ہاتھ باگ بنے پائے رکاب میں
 اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت بُدر ہے جتنا کہ وہیم غیر ہے ہوں بیچ و تاب میں
 اصلِ شہود و شاہد مشہود ایک ہے حیراں ہوں پھر مشاہد ہے کس حساب میں
 مجھے مثل نمود و صورت پر وجود بھر یاں کیا دھڑلے قطرہ فرج و حساب میں
 شرم اک ادائے ناز ہے اپنے ہی سے ہسی ہیں کتنے بے حجاب یوں ہیں حجاب میں
 آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنود پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں
 ہے غیبِ غیب جس کی سمجھتے ہیں ہم شہود ہیں خواب میں ہنود جو جاگے ہیں خواب میں

غالبِ نیم دوست آتی ہے لئے دوست
 مشغول حق ہوں بندگی بو تراب میں

حیراں ہوں لکھنؤں کہ چٹوں جگر کوں مقدمہ ہوا سا تھوڑے کھوں تو کہ گر کوں
 چھوڑا نہ رشکے کہ تھے گھر کا نام لوں ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کہ نہ رہوں

جانا پڑا رقیب کے در پر مستزار باد
 اے کاش جس جانتا نہ تری رہ گزر کو میں
 ہے کیا جو کس کے ہاندھے میری بلا ڈرے
 کیا جانتا نہیں ہوں تمہاری مگر کو میں
 لو وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ نام ہے
 یہ جانتا اگر تو لٹا ناں گھر کو میں
 چلتا ہو تو ٹوری قوم ہر اک تیز رو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہ ہر کو میں
 خواہش کو محققوں نے پرستش دیا قرار
 کیا پوچھتا ہوں اُس بت بیدار کو میں
 پھر بخودی میں بھول گیا راہ کوئے یا
 جاتا اگر دیکھ لیں اپنی خبر کو میں
 اپنے پہ کر رہوں قیاس اہل دہر کا
 سمجھا ہوں پسندیر متاع ہنر کو میں

غالب خدا کرے کہ سوار احمد بنانا

دیکھوں علی بہادر عالی گہر کو میں

ذکر میرا بہ بدی بھی اُسے منظور نہیں
 غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں
 وعدہ سیر گلستاں ہے خوش طالع شرقی
 مرقع قتل مقدّر ہے جو نہ کبر نہیں
 شاہ پرستی مطلق کی کمر ہے عالم
 لوگ کہتے ہیں کہ ہر پرستیں منظور نہیں
 قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہے دریا کی گین
 ہم کو تقلید نہ نک طرفی منصور نہیں
 حسرت اے فوقِ خرابی کہ وہ طاقت نہ رہی
 عشق پر غرور ہے کی گوں تین رنجور نہیں
 میں کج کتابوں کہ ہم لکے قیامت میں تھیں
 کس جنت سے کہتے ہیں کہ ہم جور نہیں

ظلم کر ظلم اگر لطف در رخ آتا ہو تو تغافل میں کسی رنگ سے معذور نہیں
 صاف دردی کش چائے جم ہیں ہم لوگ دوائے وہ بادہ کہ افشردہ انگور نہیں
 ہوں ظہوری کے مقابل میں خفائی غالب

میں نے محو سے یہ حقیقت ہے کہ مشہور نہیں

نارِ جرحِ حسنِ طلب اے ستمِ محبِ اد نہیں ہے تقاضائے جفا شکوہ پیدا نہیں
 عشقِ مزدوریِ عشرتِ گداز کیا خوب ہم کو تسلیم بکونامیِ سرِ باد نہیں
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں پوسعت معلوم دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھریا نہیں
 اہلِ عیش کو ہے طوفانِ حوادثِ مکتب لعل و معوج کم از سیلی استاد نہیں
 دوائے محرومیِ تسلیم و جدا حالِ دنیا جانتا ہے کہ ہیں طاقتِ فریاد نہیں
 رنگِ تکلیفِ گلِ دلاور پریشاں کیوں ہے گر چہ رافانِ سرِ گلزارِ باد نہیں
 سبیلِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں مژدہ لے مروج کہ نگہزارِ صیاد نہیں
 نفی سے کہتی ہے اثباتِ تراوش گویا دی ہو چلے دہن کھ دیم ایجاد نہیں
 کم نہیں جلوہ گری میں تے کچھ سے بہشت بھی نقشہ ہو ولسِ قدر آبا و نہیں

کہتے کس منہ سے غزبت کی شکایت غالب

تم کو بلے مہری یارانِ وطن یا د نہیں

دلوں جہان دیکھے وہ سمجھے کہ خوش رہا یاں آپڑی یسٹم کہ تھوڑا کیا کریں
 تھک تھک کے ہر مقام پہ دو چار رو گئے تیرا پتا نہ پائیں تو ناچار کیا کریں
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہذا خواہا ہل بزم
 ہو غم ہی جاں گداز تو غم خوار کیا کریں

ہو گئی ہے غیر کی شیریں زبانی کارگر عشق کا اس کو گماں ہم بنے بانوں پر نہیں

قیامت کے سن لعلی کا دشت قیس میں آنا تعجب وہ بولایوں بھی موتی بے زمانے میں
 دلی نازک پاس کے جہم آتا ہے مجھے غائب
 نہ کر سرگرم اس کافر کو آفت آئے نہیں

یہ ہم جو بھر میں دیا اور دور کو دیکھتے ہیں کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
 وہ آئیں گھر میں جائے غدا کی قدرت ہے کبھی بہان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
 نظر لگے نہ کہیں اس کے دست بازو کو یہ لوگ کیوں مئے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ترے جواہر طرب کد کو کیا دیکھیں
 ہم اوج طالع نعل و گہر کو دیکھتے ہیں

دل نہ کر لگ گیا اُن کو بھی تنہا بیٹھنا
 باسے اپنی بیکسی کی ہم نے پائی داد یاں

ہیں والِ آمادہ اجزا آفرینش کے تمام
 مہر گردوں ہے چراغِ رہ گزرا بباد یاں

شبِ فراق سے روزِ جزا یاد نہیں	نہیں کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
بلا سے کج اگر دن کو ابرو یاد نہیں	کوئی کہے کہ شب میں کیا بُرائی ہے
جو جاؤں اں سکے ہیں تو خیر یاد نہیں	جو آؤں سلنے ان کے تو مہربانہ کہیں
کہ آج بزم میں کچھ فتنہ و فساد نہیں	کبھی جو یاد بھی آتا ہوں میں تم کہتے ہیں
گدلے کو پچھینا نہ نامراد نہیں	علاوہ عید کے طبعی ہوا و دن بھی شراب
دیا یہ ہم کو خذلان و دل کہ شاد نہیں	جہاں میں ہونم شادی ہم جس کیس کا

حُلم ان کے وعدے کا و اُن سے کیوں کہ غالب
 یہ کیا کہ تم کہو اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

زمانہ سخت کم آتا ہے بجا یہ آسہ
 و گرنہ ہم تو تو حق زیادہ رکھتے ہیں

تیرے تو سن کو صبا باندھتے ہیں ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
 آہ کا کس نے اثر دیکھا ہے ہم بھی اک اپنی ہوا باندھتے ہیں
 تیری فرصت کے مقابلے عمر برق کو پا بہ جفا باندھتے ہیں
 قیدِ ہستی سے رہائی معلوم اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
 نشہ رنگ سے ہے واشدِ گل مست کب بندِ قبا باندھتے ہیں
 غلطی ہائے مضامین مت پوچھ لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں
 اہلِ تدبیر کی دامانِ دگیاں آہوں پر بھی حنا باندھتے ہیں

سادہ پُرکار میں خواباں غالب

ہم سے پیماںِ وفا باندھتے ہیں

دانم ٹپا ہوا ترے در پر نہیں ہوں میں خاک ایسی زندگی پہ کہ پتھر نہیں تھس میں
 کیوں گودِ شہم سے گھبرانے جائے دل انسان بے پیالہ و ساعون نہیں تھس میں
 یارب زمانہ مجھ کو مٹا ہے کس لئے لوحِ جہاں پہ حرفِ مکر نہیں تھس میں
 جد چاہئے منرا میں حقویت کے واسطے آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں تھس میں
 کس واسطے عینِ فریب نہیں جانتے مجھے لعلِ ذرہ و ذرہ گور نہیں ہوں میں

رہتے تو تم قدم مرنے کھوٹ کیوں دریغ رہتے میں ہر شاہ سے کمتر نہیں ہوں میں
 کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کے لئے کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہوں میں
 غالبؔ خلیفہ خوار ہو دوشاہ کو دھسا
 وہ دن گئے جو کہتے تھے تو کہہ نہیں ہوں میں

سکیاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
 یاد تھیں ہم کو بھی لٹکا رنگ بزم آریاں
 تھیں نہات لہزش گردوں ان کو پیچھے میں رہا
 قید میں یعقوب لے لی گونہ یوسف کی خبر
 سیہ پہلے ہوں ناخوش پر زمانہ منصر ہے
 جوئے خوں کھوٹ کے بنے دو کہ ہر شام فراق
 ان پر نی ادوگ لیں گے خلد میں ہم انتقام
 نیند نہ کی ہو دماغ اس کا ہر لہریں اس کی ہیں
 میں جہن میں کیا گیا گویا دبستان کھل گیا
 وہ نگاہیں کہیں ہوئی جاتی ہیں رب نے کہ پائے

خاک میں کیا صورتیں بن گئی کہ پہاں ہو گئیں
 لیکن انے نقش نگار طاق نسیاں ہو گئیں
 خضبان کے جی میں کیا آئی کہ عریان ہو گئیں
 لیکن انکھیں / وزنِ یار زندان ہو گئیں
 ہے زلیخا خوش کہ مجھ ماہ کنعاں ہو گئیں
 میں یہ سمجھوں گا کہ شمعیں فروزاں ہو گئیں
 قدت حق سے ہی جو رہا گر واں ہو گئیں
 تیری دھنیں جس کے بازو پر پشیاں ہو گئیں
 بلبلیں سنکر مرے نالے غل خواں ہو گئیں
 جو مری کوتاہی قسمت سے شرکاں ہو گئیں

بسکہ دکا میں اور سینہ میں ابھریں پے پے
 میری آپیں بخیر چاک گریباں ہو گئیں
 ہاں گیا بھی میں تران کی گالیوں کا کیا جواب
 یاد تھیں تہنی دعائیں صرف دیراں ہو گئیں
 جان فدا ہے یاد جس کے ہاتھ میں جام آگیا
 سب کسیریں تھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں
 ہم مودہ میں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
 تلتیں جب مٹ گئیں اجڑے عیاں ہو گئیں
 رنج سے خگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گرد و تار ہا غالب تو لے اہل جہاں
 دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

دیوانگی سے دوش پرتا رہی نہیں
 یعنی ہماری جیب میں کرتا رہی نہیں
 دل کو نیا زحمت دیدار کر چکے
 دیکھا تو ہم میں طاقت دیدار بھی نہیں
 ملتا تھا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
 دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
 بے حشر عمر کٹ نہیں سکتی سوا ویاں
 طاقت بقدر قدرت آزار بھی نہیں
 شوریدگی کے ہاتھ سے تو مشرباں دوش
 صحرا میں لے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
 گنجائش عداوت اختیار اک طرف
 یاں دل میں ضعف ہو سارا بھی نہیں
 ڈونا لہائے اے سے میسے خدا کو مان
 آخر ناک مرع گرفتار بھی نہیں

دل میں ہو یاد کی صفِ شرکاں سے کوشی
حالاکہ طاقبِ خلشیں خار بھی نہیں
اس سادگی پر کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ماتحت ہیں تلوار بھی نہیں
دیکھا آسَد کو خلوت و جلوت میں یارِ
دیوانہ گم نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

نہیں ہے زخم کوئی بخیر کے درخوردے تن میں
ہوئی ہے مانعِ ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
وہ بیتِ خانہ بیدا و کاوشِ شہائے شرکاں ہو
بیاں کس سے مظلمت گسری میسے شبِ تن کی
نکو ہش مانعِ بے برہمی شو حُسنوں آئی
ہوئے اُس مہر و ش کے جلوہ تمثال کے آگے
نہ جانوں نیکوں یا بدوں پر صحبتِ مخالفت
ہزاروں لئیے جوشِ جنوں عشق نے مجھ کو
ہو اسے تارِ اکلیاں شستہ چشمِ سوزن میں
کفِ سیلابِ باقی ہے بنگِ شبِ روزن میں
نگین نام شاہ ہے ہر قطرہ خوں تن میں
شبِ ہو جو کھیلِ فیروزِ کمرِ روزن میں
ہو ہے خندہ اجابِ بخیرِ حبیبِ دامن میں
پرافشاں جو ہر آئینہ میں شلِ ذہنِ روزن میں
جو گلِ ہلِ ہلِ گلشن میں خوشِ گلِ گلشن میں
سیہ کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

آسَدِ زندانی تاثرِ الفت ہائے خواباں ہوں
نہم و مستِ نوازش ہو گیا ہے طوقِ گزن میں

مرنے جہان کے اپنی نظر میں خاک نہیں
 مگر غبارِ بخت پر ہوا اڑا لے جائے
 سو اے غولِ حکر سو جگر میں خاک نہیں
 کہ غیر جلوہ گل رہ گزیر میں خاک نہیں
 اشمیرے نفس بے اثر میں خاک نہیں
 خراب خانہ کی دیوار و در میں خاک نہیں
 ہوا ہوں عشق کی غارت گری شرمندہ
 سو اے محسب تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر ہیں بے فائدہ لگی کے اسد
 کھلا کہ فائدہ عرصہ میں خاک نہیں

دلِ آلودہ سنگ و خشت سے بھرتا ہے کیوں
 دیر نہیں جرم نہیں ورنہ نہیں استاں نہیں
 رُوں گے ہم ہزار بار کوئی نہیں ستائے کیوں
 بیٹھے ہیں گزیر یہ ہم غیر مہر اُٹھائے کیوں
 آپ ہی ہوں نظارہ سوز پردہ میں شمع بچے کیوں
 تیرا ہی عکس رُخ سہی سانسے تیرے کئے کیوں
 قیدِ حیات و بندِ غم اہل میں دونوں ایک ہیں
 حُسنِ بادِ کس چرخِ ظن رنگی بجا لبوں کی شکر
 اپنے پوچھتا ہوں غمِ سر کو زما ئے کیوں
 موت پہلے آئی غم سے نجات پائے کیوں

والہ غور و عزو نازیاں یہ جبرِ با پس وضع
ماہ میں ہم ملیں کہاں نرم میں بلائے کیوں
ہاں وہ نہیں خدا پرست جاؤ وہ بے وفا ہی
جسکو مومن دل عزیزاں سکی گلی میں جانے کیوں

تعالیٰ بخت کے بغیر کون سے کام بند ہیں

رہے ناز و نار کیا کیجئے ہائے کیوں

غنیہ ہاں گفتہ کو دور سے مت دکھا کر یوں
بوسہ کو چھپتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کر یوں
پریش طرہ بلری کیجئے کیا کہ بن کہے
اس کے ہر اشارہ سے نکلے ہو یہ ادا کر یوں
رات کے وقت مے پیئے ساتھ رقیب کے لئے
آگے وہ یاں خدا کرے پڑ کرے خدا کر یوں
غیر سے رات کیا بنی یہ جو کہا تو دیکھئے
سایہ آنے بیٹھنا اور یہ دیکھتے کر یوں
بزم میں کس کو برو کیوں زخموش بیٹھئے
اسکی آوازشی میں بھی ہے یہی مدعا کر یوں
میں نے کہا کہ نرم ناز غیر سے چاہئے رہی
سن کے تم طرف نے مجھ کو اٹھا دیا کر یوں
عجوت کہا جو بارے جاتے ہیں خوش کس طرح
دیکھ کے سیری بخودی چلنے لگی ہوا کر یوں
کب مجھے کوئے یا میں رہنے کی وضع یاد تھی
آئینہ وار بن گئی حیرت نقشِ پا کر یوں
گر تیرے دل میں مچھال وصل میں ترقی کا زوال
موجِ محیط آب میں مائے ہر دست پا کر یوں

جو یہ کہے کہ دیکھتے کیوں کہ ہر شکستہ رسی

گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

حیدر گل اگر اندر ہے گرم تماشا ہو کہ چشم تنگشا یہ کثرتِ نظار سے ہو
 بقدرِ حسرتِ دل چاہیے ذوقِ معاصی بھی بھڑکے تڑپ میں گلابِ ہفت دیا ہو
 اگر وہ سرو قد گرم حرام ناز آ جائے
 کب ہر خاک گلشنِ قمری نالہ فرسا ہو

کہہ میں جا رہا تو نہ دو طعن کر کیا کہیں بھولا ہوں حقِ صحبتِ اہلِ کشت کو
 طاعت میں رہے شرمے ڈانگیں کی لاگ دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر سببت کو
 ہوں منحرف نہ کیوں وہ درہمِ ثواب سے طیرِ مہالگا ہے قطعِ سہمِ سرِ زشت کو
 غالب کچھ اپنی سعی سے منت نہیں مجھے
 خرم من چلے اگر نہ ملے کھائے کشت کو

وارستا اس سے میں کہ محبت ہی کیوں ہو یکے کے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں ہو
 چھوڑا مجھ میں ضعف نے رنگِ اختلاط کا بے دل پہ باز قشِ محبت ہی کیوں ہو
 ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیبِ رکابِ گلہ ہر چند بر سبیلِ شکایت ہی کیوں ہو
 پیدا ہوئی ہے کہتے ہیں ہر درد کی دوا یوں تو چارہ غمِ الفت ہی کیوں ہو

ڈالا نہ بے کسی نے کسی سے سدا
اپنے سے کھینچتا ہوں خیالت ہی کیوں نہ ہو
ہے آدمی بجائے خود اک عشرِ خیرِ خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو
بہگائے زبونی ہمت ہے الفعال
حاصل کیجئے ہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو
وارستگی بہانہ بیگانگی نہیں
اپنے سے کر نہ غیر سے حشت ہی کیوں نہ ہو
رہتا ہے نوبتِ فرصتِ ہستی کا غم کوئی
عمرِ عزیزِ صرفِ عبات ہی کیوں نہ ہو
اس قدرِ خو کے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
اس میں جا کے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو

قتل میں ہوں گے اچھے بھی جائیں مجھے شیون کو
نہیں کہ ہمدی آسان ہو یہ شک کیا کم ہے
نہ بھلا اکھ سے تیرے اک نسو اس جرات پر
خدا اثر لے اتموں کو کہہ رکھتے ہیں شاکش میں
بھی تم قتل کہہ کا دکھنا آسان سمجھتے ہیں
ہوا چرچا جو میرے پاؤں کی زنجیر بننے کا
خوشی کیا کھیت پر میرے گھر سو بار بار آئے
مرا ہونا بڑا کیا ہے نواسخان گلشن کو
ندی تہیٰ خدایا آرزوئے دوست دشمن کو
کیا سینہ میں جس نے نوحی کا ترکانِ سوندن کو
کبھی مجھے مگر بیاں کو کبھی جانان کو امن کو
نہیں کھیا شاد و جوئے میں تیرے قوسن کو
کیا بیتابکوں میں جنبش جو ہرنے امن کو
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈتے ہیں ابھی برقی خرس کو

دفا داری بشرط استواری صل اہلماں ہے
 مے بت خاں میں کو کبیر میں گاڑو برہمن کو
 شہاد تھی مری قسمت میں جی دی تھی غوجہ کو
 جہاں تلوار کو دیکھا جھکا دیتا ساگردن کو
 نہ لٹا دن کو کو کیے ات کو یوں بے خبر سوتا
 رہا کھٹکانہ چوری دھا دیتا ہوں نہرن کو
 سخن کیا کہہ نہیں سکے کہ جو یا ہوں جواہر کے
 جگر کیا ہم نہیں رکھتے رکھ دیں جاکے موہن کو

مے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب

فریدن نیم و خیر و دارا ب و بہمن کو

دھتلا ہوں جب میں چنے کو اس ستم تن کے پانو
 رکھتا ہے خدے کھینچ کے باہر گلن کے پانو
 دی داگی سے جان پڑوں کو کہن کے پانو
 بہات کیوں ٹوٹ گئے پیر زن کے پانو
 بھل گئے تھے ہم بہت سو اسی کی منزل ہے یہ
 ہو کر اسیر دابہ میں راہنر کے پانو
 مرہم کی جستجو میں پھرا ہوں جو دور دور
 تن سسوا فگا رہیں اس خستہ تن کے پانو
 اللہ کے ذوق دشت لوروی کہ بعد مرگ
 ہلتے ہیں خود بخود مے اندر کفن کے پانو
 جے جش گل بہاویں یاں تک کہ ہر طرف
 اڑتے ہوئے اُچھتے ہیں مرغ جن کے پانو
 شب کو کسی کے خواب میں آیا نہ ہو کہیں
 ٹپکتے ہیں آج اس بُت نازک بدن کے پانو

غالب مے کلام میں کیو نکڑ مسز انہ ہو

پیتا ہوں حلو کے خسر و شیر میں سخن کے پانو

وال اُس کو ہول دل ہے تو یاں میں توں نہیں
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم تو دیکھ
 یعنی پیسری آہ کی تاثیر سے نہ ہو
 آئینہ تاکہ دیدہ نہ بخیر سے نہ ہو

واں پہنچ کر خوش آتا ہے ہم کو
 دل کوں اور مجھے دل مجھ و غار رکھتا ہے
 صدرہ آہنگ میں بوس قدم ہے ہم کو
 کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو
 تیسے کوہ سے کہاں طاقتِ ہم ہے ہم کو
 یہ نگاہ غلط انداز تو سم ہے ہم کو
 تالِ مرغِ سحر تیغِ دوم ہے ہم کو
 بہش کے بولے کہ تم سے سر کی قسم ہے ہم کو
 پاسِ بے رونقی دیدہ اہم ہے ہم کو
 ہم وہ عاجز کہ تعافل بھی تم ہے ہم کو
 ہوسِ سیر و تماشا سودہ کم ہے ہم کو
 غمِ سیرِ نخت و طوفِ حرم ہے ہم کو
 دل کے خوں کمنے کی کیا وجہ و سکنِ ناچار
 تم وہ نازک کہ خموشی کو فناں کہتے ہو
 لکھنؤ لے کا باعث نہیں کھلتا حسنی
 مقطعِ سلسلہ شوق نہیں ہے شہر

لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب

جادو رہ کششِ کافِ کرم ہے ہم کو

تم جانو تم کو غیر سے جو رسم و راہ ہو
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
 بچنے نہیں موحضہ روزِ حشر سے
 قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو
 کیا وہ بھی بیگنہ کش و ناصیقتناس ہیں
 مانا کہ تم بشر نہیں نورشید و ماہ ہو
 ابھر ابو انقاب میں جو ان کے ایک تار
 ڈرتا ہوں میں کہ یہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 جب سیکہ چٹھا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
 مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو
 سنتے ہیں جو بہشت کی تعریف دست
 لیکن خدا کرے وہ تیری جلوہ گاہ ہو

غالب بھی گرنے ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دنیا ہو یا رب اور مر یا دشاہ ہو

گئی وہ بات کہ ہو گفتگو تو کیوں کر ہو
 کہے سے کچھ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو
 رہا ہے ذہن میں اس فکر کا ہے نامِصال
 کہ گرنے ہو تو کہاں جائیں ہو تو کیوں کر ہو
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
 حیا ہے اور یہی گوگو تو کیوں کر ہو
 تم ہی کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا
 بتوں کی ہوا اگر ایسی ہی ہو تو کیوں کر ہو
 اُچھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
 جو تم سے شہر میں توں ایک تو کیوں کر ہو
 جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا سا
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کر ہو

ہمیں بھڑپان سے امیدوار نہیں ہماری قد
 ہماری بات ہی پوچھیں وہ تو کیوں کر ہو
 غلط نہ تھا ہمیں خط پر گماں تسلی کا
 نہ مانے دیں دیدار جو تو کیوں نہ ہو
 بتاؤ اس شرہ کو دیکھ کر مہج کو قرار
 یہ غیش ہو رگ جاں میں فرد تو کیوں نہ ہو
 مجھے جنوں نہیں غالب نے بقول حضور
 فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں نہ ہو

کسی نے کڑل کوئی نواسخ فغاں کیوں ہو
 وہ اپنی خود چھوڑیں گہم اپنی وضع کیوں نہیں
 کیا غمخوار نے رسوا گئے اگلے سس محبت کو
 وفا کیسی کہاں کا عشق جب سر پہ چڑنا ٹھہرا
 قفس میں مجھ سے دوا دھن کہتے نہ ڈر ہمدم
 یہ کہہ سکتے ہو ہم لہلہ نہیں ہیں پر یہ بتلاؤ
 غلط ہے جذبِ کل شکوہ دیکھو جرم کس کا ہو
 یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
 یہی ہوا زمانا تو مستانا کس کو کہتے ہیں
 نہ ہو جب دل ہی سینہ میں تو پھر منہ نہ رہاں کیوں ہو
 مجھ سے کچھ کیا پوچھیں کل ہم سے سرگراں کیوں ہو
 نہ لافے تاج غم کی وہ میل راز داں کیوں ہو
 تو پھر اے سنگدل تیر ہی سنگدل شاں کیوں ہو
 گری جو حسد کی کلی وہ میرا آشیانہ کیوں ہو
 کہ جب دلیں تہی تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو
 نہ کھینچو گرم اپنے کو کاشکاش درمیاں کیوں ہو
 مجھے تم دوست جسکے اسکا دشمن اسل کیوں ہو
 عدو کے بولے جب تم تو میرا امتحاں کیوں ہو

کہا تم نے کہ کیوں ہو غیر کے طے میں سوائی
 بجا کہتے ہو سچ کہتے ہو پھر کہہ دو کہ ہاں کیوں ہو
 نکالا چاہتا ہی کا کیا طعنوں سے تو غالب
 تیرے بے مہر کہنے سے وہ تجھ پر مہر لگیوں ہو

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
 ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زبان کوئی نہ ہو
 بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے
 کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاس ہاں کوئی نہ ہو
 پڑیے گریہ ر تو کوئی نہ ہو تمیہ ار دار
 اور اگر مر جائے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

از مہتر ہر ذرہ دل دل ہے آئینہ طوطی کوشش جہت سے مقابل ہو آئینہ

ہے سینہ زار ہر درد دیوار غم کدہ جس کی بہاریہ مچھلاؤس کی خزاں نہ پوچھ
 ناچار بے کسی کی بھی حسرت اٹھائیے دشواری رہ دستہ ہمرہاں نہ پوچھ

شبِصال میں مونس گیا ہے بنِ بیکہ
 خراجِ بادِ شریع کے کیوں مانگوں آج
 ہوا ہے مجھ پر رام جانِ تنِ بیکہ
 بنا ہے تختہ گل ہائے یاسیں بستر
 جو رفتِ خواب ہو پروینِ تو بنِ بیکہ
 قرعِ حُسن سے روشن ہو خوابِ گاہِ تمام
 رکھے جو چہ سینِ ہوشِ بزمِ تنِ بیکہ
 غزلے کہو کیا خاک ساتھ مونے کا
 اٹھا سکا نزاکت سے گلبدنِ بیکہ
 اگرچہ زانوئے مل پر رکھے دامنِ بیکہ
 کہ ضربِ تیشہ وہ اس واسطے ہلاک ہوا
 رکھو نہ شمع پر لے اہلِ انجمنِ بیکہ
 اٹھائے کیونکہ یہ رنجِ خستہ تنِ بیکہ
 ہوئی پھر اُس کو مریٰ نعشِ بے کفنِ بیکہ
 اٹھائے کیونکہ یہ رنجِ خستہ تنِ بیکہ
 کہ سپا فرشتہ اور سانپ کا ہی منِ بیکہ
 اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن سخنِ بیکہ
 روا رکھو نہ رکھو تھا جو لفظِ نکلیہ کلام

ہم اور تم فلکِ پیر جس کو کہتے ہیں
 فقیرِ غالب مسکین کا ہے کہنِ بیکہ

تو بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسمان سے یادہ گلفام گر بسا کے

میں ہن مشتاق جفا مجھ چھبا اور ہسی
غیر کے مرگ کا غم کس لئے اے غیرتِ ماہ
تم ہو بیت پھر نہیں بندارِ خدائی کیوں ہے
کوئی دنیا میں مگر باغ نہیں ہے وہ غنظ
مجھ کو وہ دو کہ جسے کھا کے نہ پانی مانگوں
تیرے کوچہ کا ہے مائل دل مضطرب
خُسن میں حور سے بڑھ کر نہیں موبے کے کبھی
کیوں فردوس کو دُرخ میں ملا لیں مایہ
تم ہو بیدارِ خوش اس سے سوا اور ہسی
ہیں ہوسِ پیشہ بہت وہ نہ ہوا اور ہسی
تم خداوند ہی کہ لاؤ خدا اور ہسی
خلد بھی باغ ہے خیر آج ہوا اور ہسی
زہر کچھ اور سہی آپ بقا اور ہسی
کعبہ اک اور سہی قبیلہ نما اور ہسی
آپ کا شیوہ و اندازِ دادا اور ہسی
سیر کے واسطے تھوڑی سی اور ہسی

مجھ سے غالب یہ غلامی نے غزل لکھوائی

ایک بیدارِ گریخِ فترا اور ہسی

صد جلوہ رو برو ہے جو فرکاں اٹھائیے
طاقت کہاں کرید کا احساں اٹھائیے
ہے سنگ پر براتِ معاشِ جنونِ عشق
یعنی ہنوز منبِ طفلان اٹھائیے

دیوارِ باریقِ منتِ فردوس سے ہے خم لے خانماں خراب نہ احساں اٹھائے
 یا میرے زخمِ رشک کو رسوا نہ کیجئے
 یا پرِ نوحِ قبتم نہساں اٹھائے

سجد کے زیرِ سایہ خسرات چاہیے	بھوں پاس کچھ قبلہ حاجات چاہیے
عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر	آخرِ ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے
وے "اولے ٹکٹ لِحسرت پرست کی	ہاں کچھ نہ کچھ تلافیِ مافات چاہیے
سیکے ہیں مڑخوں کے لئے ہم مصوری	تقریب کچھ تو ہر ملاقات چاہیے
مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو	اک گونہ بخودی مجھے دن رات چاہیے
ہے رنگ لالہ و گلِ نسریں حُبا جدا	ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیے
سربائے خم پہ چاہیے ہنگام بے خودی	رو سوئے قبلہ وقتِ مناجات چاہیے
یعنی حبیبِ گردشِ مپنا نہ صفت	عارف ہمیشہ مسبتِ مے ذات چاہیے

نشو و نما ہے مہل سے غالبِ فروع کو

خاموشی ہی سے نکلتے ہے جو بات چاہیے

بساطِ مخمر میں تھا ایک ڈل ایک قطرہ خون بھی
 رہے اُس شوخ سے زندہ ہم چنتے تکلف سے
 خیالِ مرگ کب تسکینِ دل آزدہ کو بخشے
 نہ کرنا کاش نہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہم
 نہ اتنا بزمِ شبنمِ تنِ جنا پر ناز و سُرور
 مئے عشرت کی خواہش ساقیِ گدوئل کیا کیجے
 سوہتا ہے باز از چکیدنِ سرنگوں وہ بھی
 تکلفِ بظرف تھا ایک اندازِ جنوں وہ بھی
 مئے امِ مناسی ہو اک صیدِ زبول وہ بھی
 کہ ہو گا باعثِ افرائشِ دردِ دُروں وہ بھی
 مئے دریائے بینابی میں اک معجِ خوں وہ بھی
 لئے بیٹھا ہو اک دوچار جامِ آذگون بھی

مئے دل میں غائب شوقِ وصلِ مشکوہ ہجرِ ازل

خداؤں کہے جسے اس سے میں بھی کہوں وہ بھی

بہت ہی غم گیتی شراب کم کیا ہے
 رقیب پر ہے اگر لطف تو ستم کیا ہے
 کٹے تو شب نہیں کاٹے تو سانپ کھلاوے
 لکھا کرے کوئی احکامِ طالع مولود
 یہ جنت وشت کا قائل نکیتِ عدلت کا
 وہ دایہ دیدِ گرلں مایہِ شرط ہے ہم
 سخنِ مرخِ غالب کی آتشِ فشانہ
 غلامِ ساقی کو تر ہوں مجھ کو غم کیا ہے
 تمہاری طرزِ روش جاتے ہیں تم کیا ہے
 کوئی بتاؤ کہ وہ رلفِ غمِ جنس کیا ہے
 کسے خبر ہے کہ وہ ان جنبشِ قلم کیا ہے
 خراکے واسطے ایسے کہ پھر غم کیا ہے
 دگر نہ مہرِ سلیمان و جامِ جسم کیا ہے
 یقین ہو کہو بھی لیکن ایسے کم کیا ہے

آپ نے منشی القہر کہا ہے تو ہسی یہ بھی یا حضرت یو پ کہا ہے تو ہسی
 سچ طاقت سوا ہو تو نبیوں کیو مکر ذہن میں غم بی تسلیم رضا ہے تو ہسی
 بے غنیمت کہ بامید گزر جائے گی عمر نہ ملی داد مگر رو رہی ہے تو ہسی
 دوست کب کوئی نہیں جو کمرے چاہو گری یہ ہسی لیکتے دوا ہے تو ہسی
 غیر سے دیکھئے کیا خوب نجائی اس نے یہ ہسی ہم سے پر اس تین دوا ہے تو ہسی
 نقل کرتا ہوں اسے نامہ اعمال میں میں کچھ نہ کچھ رفیقا زل تم نے لکھا ہے تو ہسی
 کبھی آجائگی کیوں کر تے ہو جلدی غالب

شہرہ تیزی شمشیر قضا ہے تو ہسی

ہے نرم تباں میں سخن آئندہ لبوں سے تنگ آئے ہیں ہم ایسے غمخشاں لبوں سے
 ہے دور قدح و جہر پریشانی مہربا یکبار لگا دو جسم تھے میرے لبوں سے
 زندانِ دیو میکدہ گستاخ ہیں زاہد زہار نہ ہوتا طرف ان لبوں سے
 بیدار و فادیکھ کہ جاتی ہی آہ

ہر خیمہ مری جان کو تھار لبط لبوں سے

تاہم کوشکایت کی بھی باقی نہیں ہے جا سُن لیتے ہیں گو ذکر ہمارا نہیں کرتے
غالب تراحوال سنا دیں گے ہم اُن کو
وہ سُن کھٹکے ٹالیں یہ اجارا نہیں کرتے

گھر میں تھا کیا کہ تراغم اسے غارت کرتا
وہ جو کہتے تھے ہم اک حسرت تعمیر ہے

غم دنیا سے گری پائی بھی فرصت سر اٹھانے کی	فلک کا دیکھنا تقریب تیرے یاد آنے کی
کھلے گا کس طرح مضمون کے مکتوب کا یا رب	قسم کھائی جو اس کا فرنگے غز کے جلاسنے کی
پشتنا پر نیاں میں شعلہ آتش کا آساں ہے	وہ شکل ہو حکمتِ فلیس سوز غم چھپانے کی
انہیں منظور اپنے زخمیوں کا دیکھ آنا تھا	اُٹھے تھے سیر گل کو دیکھنا شوخی سنانے کی
ہماری سادگی تھی التفاتِ ناز پر مرنا	ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تہید جانے کی
لکھ دو بے حوادث کا تحمل کر نہیں سکتی	مرحی طاقت کہ ضامن تھی تو کئے مار اٹھانے کی

کہوں کیا خوبی اوضاعِ ابتلائے زمانِ غالب
بدی کی اس شخص سے ہم نے کی تھی بارہا نیکی

حاصل سے ہاتھ دھو بیٹھا اے آرزو خرامی
 دل جو شبن گریہ میں ہے ڈوبی ہوئی اسامی
 اُس شمع کی طرح سے جس کو کوئی بجھا ہے
 میں بھی جلتے ہوؤں میں ہوں داغ نامتامی

کیا تنگ ہم ستم زدگان کا جہان ہے	جس میں کہ ایک بیضہ لمبور آسمان ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے	پر تو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے
حالانکہ ہے یہیلی خار سے لالہ رنگ	غافل کو میسے شیشہ پہ سے کا گمان ہے
کی اُس نے گرم سینہ اہل ہوس میں جا	آہنے کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے غیر کو پس نہیں دیا؟	پس چپ ہو جائے بھی نہ میں نہ جان ہے
بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یا زمین	فرمانروا کے کشور ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی غم نے مٹا دیا	کیسے کہوں کہ داغ جگر کا نشان ہے

ہے بائے اعتماد و وفاداری اس قدر
 غالب ہم اس غمِ شبن کی نامہ زبان ہے

در سے میسے نہ تھک کو بے قراری لئے لئے
 تیرے دل میں گزرتھا آشوبِ عجبم کا صولہ
 کیوں مری غمخوارگی کا تھک کو آیا تھا خیال
 عمر بھر کا تو نے پیمانِ وفا باندھا تو کیا
 زہر لگتی ہے مجھے آبِ دہو اے زندگی
 گلشنِ ثانی بائے نازِ حبسہ کو کیا ہو گیا
 شرمِ رسوائی سے جا چھپنا تھا خاک میں
 خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت بل گئے
 ہاتھ ہی تیغِ آزما کا کام سے جاتاڑا
 کس طرح کلمے کوئی شبِ بے تابِ بزرگسال
 گوشِ مہوِ رسام و چشمِ محرومِ جمال
 کیا ہوئی ظالمِ تری غفلتِ شکاری لئے لئے
 تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگسائی لئے لئے
 دشمنی اپنی تھی میری دستداری لئے لئے
 عمر کو بھی تو نہیں ہے پاداری لئے لئے
 یعنی تجھ سے تھی اسے سنا سنا گاری لئے لئے
 خاکِ مہوتی ہے تیری لاکھاری لئے لئے
 ختمِ جلالت کی تجھ پر وہ اری لئے لئے
 اٹھ گئی دنیا سے اہِ دیم یاری لئے لئے
 دلِ پاک گلنے نہ پایا زخمِ کاری لئے لئے
 ہے نظرِ خاکِ کردہ خستِ شمارِی لئے لئے
 ایک دلِ تسیرِ نیا مہواری لئے لئے

عیشِ قمر نے پکڑا نہ تھا غالبِ بھٹی حشت کا رنگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ فوقِ خواری لئے لئے

گر شعلی میں عالم ہستی سے پاس ہے تسکین کوئے نوید کہ مرنے کی آس ہے
 لیتا نہیں مرنے دل آوارہ کی خبر اب تک جانتا ہوں کہ میرے ہی پاس ہے
 کیجے بیاں سرو و پرب غم کہاں تک ہر موسمے بدن پہ زبانِ پاس ہے
 ہے وہ غم و حسن سے بیگانہ وفا ہر چاند اس کے پاس دلِ حق شناس ہے
 پی جس قدر بے شب ہوتا پیش اب اس بطنی مزاج کو گرمی ہی پاس ہے

ہر اک مکان کو ہے کیس سے شرف اسد

مجنوں جو مر گیا ہو تو جنگل ادا اس ہے

گر خامشی سے فائدہ اٹھائے حال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنا محال ہے
 کس کو سناؤں حسرتِ اظہار کا لہر دلِ فردِ جمع و جمعِ نیاں ہائے لال ہے
 کہیں ہمیں ہے آئندہ پردہ ازلے خدا رحمت کہ عذر خواہ لبِ بے سوال ہے
 ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنی اے شوقِ منفعت تجھے کیا خیال ہے
 مسکین لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جان نافِ زمین ہے نہ کہ نافِ غزال ہے
 و شمت پر میری عرصہ آفاق تنگ تھا دیا زمین کو عسقرِ بقیعِ انحال ہے

ہستی کے مت فریب میں آجایو اسد

عالم تمام حلقہ درام خیال ہے

تم اپنے شکوہ کی باتیں کھوکھو کے چھوچھو
خدا کو دے دل سے کہ اس میں گلابی ہے
دلایہ درد و اہم بھی تو معتمد ہے کہ آخر
نگریہ سہوی ہے نہ اونیہ شبی ہے

ایک جاخوف و فاکھا تھا سو بھی ٹا گیا
جی جلے ذوقِ فنا کی نامتھی پڑ کیوں
آگ سے پانی میں بجھتے وقت اٹھتی ہو صلا
ہے وہی بدستی ہر ذرہ کا خود غرضخوا
محب سے مت کہتے ہیں کہتا تھا اپنی زندگی
ظاہر کا غرض ترے خط کا غلط بردا ہے
ہم نہیں جلتے نفس سرچند آتشا ہے
ہر کوئی درمانگی میں نالہ سے ناپا ہے
جس کے جلو سے نیت آسماں سرشار ہے
زندگی سے بھی مر جی ان نول ہزار ہے
آنکھ کی تصویر سزا نہ کھینچی ہے کہ تا

تجھ پہ کھینچا ہے کہ اس کو حسرت دیدار ہے

پینس اگر تیرے میں کچھ سے وہ میرے
مری بستی فضا کے حیرت آباد تمنا ہے
خزاں کیا فصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی دہم
دفا کے لبراں ہو اتفاقی دہلے ہمدم
نہ لائی شوخی اندیشہ تاباں نچ زویدی
جسے کہتے ہیں نالہ وہ اسی عالم کا غنقا ہے
وہی ہم ہیں قفس سے وارث تالی پر کا ہے
اثر فراد دل نائے حزن کا کس نے دیکھا ہے
کوٹ افسوس ملتا عجب بد تمنا ہے

رحم کر ظالم کہ کیا بود چراغ کشتہ ہے نبضِ مہیار و فادو و چراغ کشتہ ہے

دل لگی کی آند بے چین نکھتی ہے ہیں

ورنہ یاں بے رونقی سود چراغ کشتہ ہے

چشمِ خوابِ خامشی میں بھی نوا پڑا رہے سرِ تو کو کہے کہ دو دشمن آواز ہے

میکر عشاق سازِ ظالم ناساز ہے نالہ گویا گردشِ سیاہ کی آواز ہے

دستِ گاہ دیدہ خوباںِ محبوبوں دیکھنا

یک بیاباںِ جلوہ گلِ فرشِ پاندا رہے

عشقِ مجھ کو نہیں دھشت ہی سہی میری دھشت تیری شہرت ہی سہی

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے توجہِ عداوت ہی سہی

میرے ہونے میں ہو کیا رسوائی اے وہ مجلسِ نہیں خلوت ہی سہی

ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیسر کو تجھ سے محبت ہی سہی

اپنی ہستی ہی سے ہو جو کچھ ہو آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی

عمرِ ہر چند کہ ہے برقِ خسرام دل کے خوں کرنے کی فرصت ہی سہی

ہم کوئی ترکِ وفا کرتے ہیں نہ سہی عشقِ مصیبت ہی سہی

کچھ تو دے لے ظلمِ نا انصاف آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی

ہم بھی تسلیم کی خود ایں گے بے نیازی تری عادت ہی سہی

یار سے چھینٹ چلی جائے اسد

گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

ہے آرمیدگی میں کو ہوش بجا مجھے صبح وطن ہے خند و نواں نما مجھے

ڈھونڈے ہو اس منہ آتش نفس کو جی جس کی صدا ہو جلوہ برق فنا مجھے

مستانے کوں ہوں وہ وادی خیال تابا ز گشت سے تر ہے مدعا مجھے

کر لے بسکہ باغ میں تو بے حجابیاں آنے لگی ہے کہت گل سے حیا مجھے

کھلتا کسی پہ کیوں مرنے کا معاملہ

شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

اس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کئے بیٹھا رہا اگر چہ شاہے ہوا کئے

دل ہی تو ہے سیاست راں سے ڈر گیا میں اود جاؤں دم سے تر ہے ہن صدا کئے

رکھتا پھڑپھڑاں خرقہ و سجادہ ہن کے مدت ہوئی ہے عورت آج ہوا کئے

بے صرف ہی گزرتی ہے ہو گر چہ عیشِ خضر حضرت بھی گل کہیں گے کہ ہم کیا کئے

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ الٰہیئم تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے
 کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو کس دن ہمارے سر پہ آئے چلا کئے
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں یہ خو دینے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کئے
 ضد کی ہو اور بات مگر خو بُری نہیں بھولے اُس نے سیکڑوں عسے و فاکے
 غالب تہیں کہو کہ بے گاہ جواب کیا
 مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے

رقارِ عمر قطع رہ نظر اب ہے اس سال کے حسابِ برق آقا ہے
 بینائے مے ہے سر و نشاطِ بہا ہے بالِ تند و جلوہ موجِ شراب ہے
 زخمی ہوا ہے پاشد پائے ثبات کا نے بھاگنے کی گونشِ قامت کی تاب ہے
 جادو بادہ نوشیِ نال ہے شربتِ جہت غافل گماں کہے ہو کہ گنتی خزا ہے
 نظارہ کیا حریف ہو اُس برقی جس کا جوشِ بہارِ جلوہ کو جس کی نقاب ہے
 میں نامراد دل کی تسلی کو کیا کروں مانا کہ تیرے رخِ شہد کلبیا ہے

گزرا اسدِ مستربِ پیامِ یار سے

قاسد پہ مجھ کو خشک سوال و جواب ہے

دکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ شکست جائے ہے
 ہاتھ ہول سے ہی گرمی گزندیشہ میں ہے
 غیر کو راب وہ کینہ مکر منہ گستاخی کرے
 شوق کو یہ لت کہ ہر دم نالہ کھینچے جائے
 دُور چشم بدتر می چشم طریبے واہ واہ
 گر چہ ہے طر تغافل پر وہ دایہ راز عشق
 اُس کی نرم آریاں سُن کر دل رنجھدیاں
 ہوئے عاشق وہ پری نوح اور نازک بن گیا
 نقش کو اس کے مقصود پر بھی کیا کیا نازیں
 میں سے کیوں بھلا کر مجھ سے کیا جائے ہے
 آگینہ زندی صہبائے بھلا جائے ہے
 گر حیا بھی اُس کو اتنی ہو تو شہر جائے ہے
 دل کی دھالت کہ دم لینے گھر جائے ہے
 نغمہ موحیات ہے ال گر نالہ میرا جائے ہے
 پریم ایسے کھوئے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
 مثل نقش مدعے غیر مٹھا جائے ہے
 عزت کھلتا جائے ہو جتنا کافرا جائے ہے
 کھینچتا ہو جس قدر اتنا ہی کھینچا جائے ہے

سایہ رنجھ سے مثل دُور بھاگے ہے اسد

پاس مجھ آتش کباب کے کس سے ٹھہرا جائے ہے

گرم فریاد رکھا شکل بہانی نے مجھے
 نیہ نقید و عالم کی حقیقت معلوم
 کثرت آرائی وحدت پرستاری وہم
 ہوں گُل کا قصہ میں بھی کھٹکا نہ رہا
 تباہاں بھڑی ہر دیوالی نے مجھے
 لے لیا مجھ سے مری عہد غالی نے مجھے
 کر دیا کا قرآن اصنام خیالی نے مجھے
 عجب رام دیا بے پروہالی نے مجھے

کار کا وہستی میں لاد داغِ ساماں ہے برقِ خرمینِ احتِ نِ گرمِ دہقاں ہے
 غنچہ ناگھنفتہ ابرگِ عافیت معلوم باوجود دل جمعی خواہِ گلِ پیشاں ہے
 ہم سے بیخِ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے
 داغِ پشتِ دستِ عجزِ شعلہ حسنِ مذاں ہے

اگلے دہنے سودیوار سے مہر و غالب ہم جیاہاں میں ہیں اور گھر میں تمہارا کئی ہے

سادگی پر اُس کی مرطبانے کی حسرتِ دل میں ہے بس نہیں چلتا کہ پھر خنجرِ کفِ قابل میں ہے
 دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس کے کہا بیٹے جانا کہ گویا یہ بھی میسے دل میں ہے
 گرچہ ہے کس کس بُرائی سے ولے بائیں ہم ذکرِ میرا مجھ سے بہتر جو کہ اس مغل میں ہے
 بس جھوم نامِ امیدِ خاک میں ٹھائے گی یہ جو اک لذتِ ہماری سچی حاصل میں ہے
 بیخِ رہ کیوں کھینچے نامندگی کو عشق ہے اٹھ نہیں سکتا ہمارا جو قدم منزل میں ہے
 جلوہ زارِ آتشِ دوزخِ ہمارا دل ہی فتنہ شورِ قیامت کس کے آئینہ گل میں ہے

خنے ل شوریدہ غالب طلسمِ بیچِ دتاب
 رحمِ کرانی تمنا پر کہ کس مشکل میں ہے

دل سے تیری نگاہ جگر تک اُتر گئی دونوں کو اک ادا میں ضامنہ کر گئی
 شق ہو گیا ہر سینہ خوشا لذتِ فراق تکلیف پر وہ داریِ خرمِ جگر گئی
 وہ بادہ شہانہ کی مرستیاں کہاں اٹھے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی
 اُترتی چمے ہر خاک مری کوئے یار میں بائے اب لے ہوا ہونے لڑ پر گئی
 دیکھو تو دل فریبی اندازِ نقشِ پا موجِ خرامِ یار بھی کیا گلِ کتر گئی
 ہر واہوس نے حُسن پرستی شہار کی اب آبروئے شیوہ اہلِ نظر گئی
 نظارے بھی کام کیا واں نقاب کا مستی سے ہرگز تھے سُرخ پر کھر گئی
 فردا ددی کا تفرقہ کیا رست گیا کل تم گئے کہ ہم پر قیامت گزر گئی

مار امانہ نے اسد اللہ خاں تہیں

وہ دلو لے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

تسکین کو ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر لے حورانِ خلد میں تری صورت گر لے
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کدو فنِ بوقتِ قتل میسے پتے سے خلق کو کیوں تیرا گھر لے
 ساقی گری کی شہم کرو آج درہمِ ہسم ہر شب پیاسی کرتے ہیں مجھیں قدر لے
 تجھ سے تو کچھ کلام نہیں لیکن اے ندیم میرا سلام کہیو اگر نامہِ سر لے
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ جنوں نے کیا کیا فرصت کفاکشِ غمِ نہاں سے گر لے

لازم نہیں کہ خضر کی ہم سپہ فری کہیں
 مانا کہ ایک بزرگ ہمیں ہم سفر ہے
 اے ساکنانِ کوچہ دلدار دیکھنا
 ہم کو کہیں جو غالب آشفۂ سر ہے

کوئی دن گر زندگانی اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں سوزِ غمہائے نہانی اور ہے
 بارہ دیکھی ہیں ان کی رنجشیں پر کچھ اب کے سرگرائی اور ہے
 بے کے خطِ منہ دیکھتا ہے نامہ بر کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
 قاطعِ احوال ہیں اکثر نجوم وہ بلائے آسمانی اور ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
 ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

کوئی اُمید بر نہیں آتی کوئی صورت نظر نہیں آتی
 موت کا ایک دن متین ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
 آگے آتی تھی حالِ دل پہنہی اب کسی بات پر نہیں آتی
 جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپےں دور کیا بات کر نہیں آتی

کیوں نہ چنچول کر یا د کرتے ہیں میری آواز گز نہیں آتی
 داغ دل گر نظر سر نہیں آتا بوجھ لے چارہ گز نہیں آتی
 ہم ہاں ہیں جہاں سچم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی
 ملتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
 کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غائب

شہم تم کو مگر نہیں آتی

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے آخر اس درد کی دوا کیا ہے
 ہم میں مشتاق اور وہ بیزار یا الہی یہ ماجہ کیا ہے
 میں بھی منہ میں بُان کھتا ہوں کاش پوچھو کہ بُرا کیا ہے
 جبکہ تجھ پر نہیں کوئی موجد پیر یہ منگامہ لے خدا کیا ہے
 یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں غمزدہ و عشوہ و ادا کیا ہے
 شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے نگہ چشمِ سراسر کیا ہے
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ابر کیا چیمیز ہم ہوا کیا ہے
 ہم کو اُن سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے
 ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا اور درویش کی صد کیا ہے

جان تم پر نشا رکرتا ہوں میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب

مُفت ہاتھ آئے تو بُرا کیا ہے

کہتے تو ہو تم سب کہ بتِ غالب ہو آئے ایک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہ وہ آئے

ہوں کشمکشِ نزع میں ہاں جذبِ محبت کچھ کہہ نہ سکوں پہ مے پوچھنے کو آئے

ہے صاعقہ و شعلہ و سیلاب کا عالم آنا ہی سمجھ میں مے آنا نہیں گو آئے

ظاہر ہے کہ گھبرا کے نہ بھاگیں گے بکیرین ہاں منہ سے گرا رہا وہ دوشینہ کی ہو آئے

جلاد سے ڈرتے ہیں نہ وہ احتلا سے جھگرتے ہم تجھے ہوئے میں آئے جسے جن بھیس میں ہو آئے

ہاں اہلِ طلب کون مُسنے طنزِ نایافت دیکھا کہ وہ بتا نہیں اپنے ہی کھو آئے

اپنا نہیں پشیوہ کہ آرام ہے مٹھیں اس در پہ نہیں بار کو کعبہ ہی کو ہو آئے

کی ہم نغصوں نے اثرِ گریہ میں تقریر اچھے رہے آپاس سے مگر مجھ کو ڈبو آئے

اس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالب

ہم بھی گئے واں اور تری تقدیر کو رو آئے

پھر کچھ اکٹ ل کو بے قراری ہے سینہ جو بائے زخمِ کاری ہے

پھر بگر کھودنے لگا ناخن آید فصلِ لالہ کاری ہے

قبلہ مقصدِ نگاہِ نیاز پھر وہی پردہٴ عماری ہے
 چشمِ دُآلِ جنسِ سُوائی دل خریدارِ ذوقِ خوئی ہے
 وہی صد رنگِ تالہٴ فرسائی وہی صد گونہٴ اشکباری ہے
 دل ہوائے خرامِ نائے پھر محشرستانِ بیقراری ہے
 جلوہ پھر عرضِ ناز کرتا ہے روزِ بازارِ جاں سپاری ہے
 پھر اُسی بے وفا پر مرتے ہیں پھر وہی زندگی ہماری ہے
 پھر کھلا ہے درِ عدالتِ ناز گرم بازارِ فوجداری ہے
 ہو رہا ہے جہان میں اندھیر زلف کی پھر رشتہ داری ہے
 پھر دیا پارہٴ جگر نے سوال ایک فیادِ واہِ زاری ہے
 پھر مجھے ہیں گواہِ عشقِ طلب اشکباری کا حکم جاری ہے
 دلِ مژگاں کا جو مقدمہ تھا آج پھر اُس کی رو بکاری ہے

یہودی بے سبب نہیں غالب

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

جنوں تہمت کش تسکیں ہو کر شادانی کی نکمہ پائشِ خواہشِ دل ہے لذتِ زندگی کی
 کشاکشِ اے ہستی سے کہے کیا سہی آزادی ہوئی زنجیرِ موجِ آب کو فرستِ روانی کی

پہلے مرنے بھی لیوا نہ زیادہ رنگا و پفلاں ہے شرارتنگے تربت پہیری گل خسانی کی

نکو شہ ہے نہ فراوی بیاد لبسری مبادا خندہ دندان نما ہو صبح محشر کی
رگ لیلی کو خاکِ شستِ مجنوں ریشگی بجھے اگر بوبے بجائے ازہ بقان کب نشتر کی
پر پردہ شایم بادیاں کشتی مے تھا ہوئی مجلس کی گرمی مے لنی دور ساغر کی
کردن بیاد ذوقِ پرفشانی عرض کیا قدرت کطاعت اگر گئی اٹنے سے پہلے میے شہر کی

کہاں تک کہ اول اسکے خیر کے بچے قیامت ہی

مری قسمت میں یارب کیا نہ تھی دیوار تھیر کی

بے اعتدالیوں سے کبک میں ہم ہوئے جتنے زیادہ ہو گئے اُتنے ہی کم ہوئے
پہاں تھا دامِ سنتِ قریبِ شیان کے اُٹنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
مہنتی مہاری اپنی فنا پر دلیل ہے یاں تک ملے کہ آپسی اپنی قسم ہوئے
سخن کشانِ عشق کی پوچھے ہے کیا خبر وہ لوگ قدِ فتنہ سرا پا الم ہوئے
تیری وفا سے کیا ہوتا فانی کہ دھرم میں تیرے سوا بھی ہم پر بہت سے تم ہوئے
کھتے رہے جنوں کی حکایاتِ محسوس ہیں ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے تسلیم ہوئے
اللہ تیری تندہی جو جس کے ہم سے اجڑے نالہ دل میں مے رنق ہم ہوئے

اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ بند و عشق جو پاؤں ٹھ گئے ہی ان کے علم ہوئے
 نالے عدم میں چند ہمارے سپرد تھے جو ان نہ کنج سکے ٹوٹیاں کے دم ہوئے
 چھوڑی آسندہ ہم لے گدائی میں ل لگی
 سائل ہوئے تو عاشق اہل کرم ہوئے

جو نہ نقد داغِ دل کی کرے شعلہ پاسبانی تو فسر و گی نہاں ہے یکمین بے زبانی
 تجھے اس سے کیا توقع بہ زمانہ جوانی کبھی کو دکھی میں جس لختہ سُنی مری کہانی
 یونہی دکھ کسی کو دینا نہیں خوب ورنہ کہتا

کہ مے عدد کو یار بے مے میری زندگانی

ظلمتِ کدہ میں مے شبِ غم کا جوش ہے اک شمع ہے دلیلِ محسوسِ خوش ہے
 نے مرہ وصالِ نظارہِ جمال مدت ہوئی کہ آشتی چشم و گوش ہے
 نے کیا ہے حسنِ خود کا کو بے حجاب اے شوقِ بیاں اجازتِ تسلیمِ خوش ہے
 گوہر کو عقدِ گردنِ خواہاں میں دیکھنا کیا اوجِ پستارہ گوہرِ فردش ہے
 دیدارِ بادہ حوصلہ ساقی نگاہِ مست بزمِ خیالِ میکدہ بے فردش ہے
 اے تازہ وارہ ان لبِ باطِ ہوائے دل ق نہارا اگر تمہیں ہوسِ نئے و نوش ہے
 دیکھو مجھے جو دیدہ عسرتِ نگاہِ جو میری سُندو جو گوشِ نصیحتِ نوش ہے

ساتی بجلوہ دشمن ایمان واہگی مطرب بغمہ ہرن تمکین پرش ہے
 یاشب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بساط دامان باغبان و کف گل پرش ہے
 لطف خرام ساتی ذوق صدائے چنگ چہت نگاہ وہ فردوس پرش ہے
 یا بجد م جو دیکھئے آکر تو نرم میں نے وہ سرور و سوز و جوش پرش ہے
 داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی پرش ہے
 آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں

غالب میر پر خامرہ نوائے سروش ہے

آ کہ مری جان کو قرار نہیں ہے طاقت بیدار انتظار نہیں ہے
 دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بدلے نشتر اندازہ خسار نہیں ہے
 گر یہ نکالے ہے تری نرم سے بھگو ہائے کہ رونے پر اختیار نہیں ہے
 ہم سے صحبت گمان بخش خاطر خاک میں عشاق کی غبار نہیں ہے
 دل سے اٹھا لطف جلو ہائے معانی غیر گل آئینہ ہمار نہیں ہے
 قتل کا میس کیا ہے عہد تو بارے وائے اگر عہد استوار نہیں ہے

تو نے قسم سیکشی کی کھائی ہے غالب

تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

جہرم غم سے یاں تک سزگونی مجھ کو حاصل ہے کہ بارہا ہنرِ نازِ نظم میں فرق مشکل ہے
 رنجے رنج سے طلبِ لذت زخمِ سوزن کی سمجھ بھیت کے پاس دروس سے دیوانہ غافل ہے

وہ گل جس گلستاں میں جلوہ فرمائی کہے غائب

چکنا خنجرِ وگل کا صدمے خندہ دل ہے

پاؤں ہورہا ہوں بسکے میں صحرانورد خارِ پاہیں جو ہر آئینہ زانو مجھے
 دیکھنا حالت سے دل کی ہم آغوشی کے وقت ہے نگاہِ آشنا تیرا میر ہر مو مجھے

ہوں سلا یا نازِ آہنگِ شکایت کچھ نہ چھو

ہے یہی بہتر کہ لوگوں میں چھپے تو مجھے

جس زہم میں تو ناز سے گفتار میں آوے جاں کا لبدِ صورتِ دیوا میں آوے

سایہ کی طبع ساتھ پھریں سر و منہ نور تو اس قدر کشش سے جو گلزار میں آوے

تب نازِ گراں مانگی عشقِ حباب ہے جب نختِ جگر دیدہ خونبار میں آوے

مے مجھ کو شکایت کی اجازت کہ تمہارے کچھ تھکوا فرما بھی مرے آزار میں آوے

اس چشمِ فسق و گمراہ کا اگر پائے اشارہ طوطی کی طبع آئینہ گفتار میں آوے

کانٹوں کی زباں سو گھگھائی پیاس سے یارب اک آبلہ پا دا دی چنار میں آوے

مجاؤں کیوں شکستِ جوبہ تنِ نازک
آغوشِ خمِ حلقہٴ تنار میں آوے
فارت گریں ناموس نہ ہوگر ہوسِ در
کیوں شاہِ بگلِ باغ سے باز میں آوے
تب چاکِ گریہاں کا مزا ہے دلِ نالال
جب اک لہضاً بجا ہوا ہر تار میں آوے
آتشکدہ ہے سینہٴ مرارِ اذہاں سے
لے لے کر معرفتِ اظہار میں آوے

گنجینہٴ معنی کا طلسمِ اس کو سمجھیے
جو لفظِ غالب مرے اشعار میں آوے

حسنِ مہِ گرچہ بہنگامِ کمال اچھا ہے
اس سے میرِ مہِ خورشیدِ جمال اچھا ہے
برستی نہیں او دل پہ ہے ہر خطِ نگاہ
جی میں کہتے ہیں مفتِ آلے تو مال اچھا ہے
اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
ساغرِ حم سے مرا جامِ سفال اچھا ہے
بے طلبی میں تو مرا اس میں مواظبا ہے
وہ گدا جس کو نہ ہو خوئے سوال اچھا ہے
دیکھئے پاتے ہیں عشاقِ تہوں سے کیا فیض
ان کے دیکھے ہے جہاں تہی ہے و نقِ منہ پر
ہم سخنِ تیشہ نے فرما دو شیریں کیا
قطرہ دیا میں جو بلِ جلے تو دیرا ہو جائے
اک برہمن نے کہا ہی کہ یہ سال اچھا ہے
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
جس طرح کا کہ کسی میں کمال اچھا ہے
کام اچھا ہی وہ جس کا کہ مال اچھا ہے

خضر سلطان کو رکھے خالق کبیر سرنبر شاہ کے باغ میں تیار نہال اچھا ہے
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 دل کے خوش رکھنے کو غالب خیال اچھا ہے

نہ ہونی گرمے مرنے سے تسلی نہ ہسی امتحاں اور بھی باقی ہوتا یہ بھی نہ ہسی
 خار خار الم حسرت دیدار تو ہے شوق گلچین گلستان تسلی نہ ہسی
 مے پرستان خمے مندے سے لگائے ہی بنی ایک دن گرد ہوا نرم میاں قی نہ ہسی
 نفیس قیس کہ چشم چراغ مچھا گر نہیں شمع سیہ خاندہ لیلی نہ ہسی
 ایک ہنگامہ پچھتوف ہے گھر کی لٹی لوہہ غم ہی ہی نمز شادی نہ ہسی
 نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پڑا گر نہیں میں سے اشار میں مخی نہ ہسی

عشرت صحبت خواہاں ہی غنیمت سمجھو

نہ ہونی غالب اگر عسبر طبعی نہ ہسی

عجب نشاط سے جلاو کے چلے ہیں ہم آگے کہ اپنے سایہ سے سراپوں سے ہر دو قدم آگے
 فضل نے تجا مجھے چاہا خراب بادۂ الفت فقط خراب کھابیں نہ چل سکا قلم آگے
 غم زمانہ نے جھاری نشاط عشق کی مستی و گرنہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذت الم آگے
 خدا کے واسطے داد اس جنوں عشق کی دینا کہ اسکے در پہ پہنچے ہیں نامہ بر سے ہم آگے

یہ عمر بھر جو پریشانیاں اٹھاتی ہیں بہم نے تمہارے آئیوں طرہ ہائے غم بہ خمر آگے
دل و جگر میں پر افشاں جو ایک دم دُخوں ہے ہم اپنے زعم میں سمجھے ہوئے تھے اسکو کم آگے
قسم چنانچہ پائے کی سیسے کھاتے ہیں غالب

ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

شکوہ کے نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے یہ بھی مت کہہ کہ جو کچھ تو بگھاتا ہے
پُرموں میں شکوہ سے یوں آگ سے جیسے بلجا اک ذرا چٹیلے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے
گو سمجھتا نہیں چرخِ حسنِ تلافی دیکھو! شکوہ جو رے سرگرم خفا ہوتا ہے
عشق کی راہ میں ہو چرخِ مکوکب کی وہ چال سُست رو جیسے کوئی اکلیبا ہوتا ہے
کیون نہ ٹھہریں ہدفِ ناوک بیدا کہ ہم آپ اٹھالائے میں گریہ تر خطا ہوتا ہے
خوب تھا پہلے سے ہوتے جو بہم اپنے بدخوا کہ بھلا چاہتے ہیں اہد برا ہوتا ہے
نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا اور اب لب تک آتا ہے جو ایسا ہی سا ہوتا ہے
خامہ میرا کہ وہ ہے بارِ پُرِ بزمِ سخن شاہ کی موج میں یوں نغمہ سرا ہوتا ہے
لے شہنشاہ کو اکب سپر و ہر علم تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
ساتِ استیلم کا حاصل جو فراہم کیجئے تو وہ لشکرِ کارِ ترے نقل بہا ہوتا ہے
بر مہینہ میں جو یہ بد سے ہوتا ہے ہلال آستانِ پر تم سے مہنا صید سا ہوتا ہے

میں جو گستاخ ہوں آئینِ غزلِ خوانی میں یہ بھی تیرا ہی کرمِ ذوقِ نزا ہوتا ہے
 رکھیو غالب مجھے اس تلخِ نوائی میں عات
 کج کچھ دردِ مرے دل میں سوا ہوتا ہے

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے
 نہ شعلہ میں یہ کرشمہ نہ برق میں ادا
 یہ شک ہے کہ وہ ہوتا ہے ہم سخنِ تم سے
 چپکے آبرو بدن پر ابوسے پیرا بن
 جلا ہے جسمِ جاں دل بھی جل گیا ہوگا
 رگوں میں دھنسنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
 وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہو بہشتِ غزیر
 پیو شراب اگر تم بھی دیکھ لوں دو چار
 رہی نہ طاقتِ گفتِ راہِ اگر ہو بھی
 تو کس اُمید پہ کہیے کہ آرزو کیا ہے
 سولے بانِ گلغامِ مشکبو کیا ہے
 یثیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
 یثیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے
 یثیشہ و قدح و کوزہ و سبو کیا ہے

ہوا ہے شہ کا مصاحب بھی ہے اترانا

وگر نہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

نیں انہیں چھڑوں اور کچھ نہ کہیں چل نکلتے جوئے پیئے ہوتے
 قہر ہو یا بلا ہو جو کچھ ہو کا شکے تم مے لے ہوتے
 میری قسمت میں غم گرا تھا دل بھی یارب کئی دیئے ہوتے

آہی جاتا وہ راہ پر غالب

کوئی دن اور بھی جھٹے ہوتے

غیر لیں محفل میں بوسے جام کے ہم ہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
 خستگی کا تم سے کیا شکوہ کر یہ ہنسنے والے ہیں چرخ نیلی نام کے
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
 رات بی زغم پہنٹے اور صبح دم دھولے دھتے جامہ احرام کے
 دل کو آنکھوں نے پھنسا یا کیا مگر یہ بھی حلقے میں تمہارے دام کے
 شاہ کی ہے غسلِ صحت کی خبر دیکھیے کب نہ پھریں حمام کے

عشق نے غالب نکمت کر دیا

ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

پھر اس انداز سے بہا ر آئی کہ ہوئے مہر و مہر تماشا ئی
 دیکھو اے ساکتانِ خطِ خاک ! ق اس کو کہتے ہیں عالم آرائی

کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر روکشیں سطح چسپ مینائی
 سبزہ کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روئے آب پر کائی
 سبزہ و گل کو دیکھنے کے لئے چشم تر گس کو دی ہے مینائی
 ہے ہوا میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے بادِ مینائی
 کیوں نہ دنیا کو ہو خوشی غالب

شاہ دیندار نے شفا پائی

تفاعل و ست ہوں میرا دماغِ حجاز عالی ہے اگر پہلو تہی کیجے تو جا میری بھی خالی ہے
 رہا آبادِ عالم اہلِ ہمت کے نہونے سے بھرے ہیں جس قدر جام و گدھنجا خالی ہے

کب وہ سنتا ہے کہانی میری اور پھر وہ بھی زبانی میری
 خلشِ غمستہ خونریز نہ پوچھ دیکھ خوشا بہشتانی میری
 کیا بیاں کر کے مرادیں گے یار مگر آشفستہ بیانی میری
 ہوں زخود رفتہ بیدائے خیال بھول جاتا ہے نشانی میری
 متقابل ہے مقابل میرا ٹرک گیا دیکھ روانی میری
 قدِ سنگِ مبرہہ رکھتا ہوں سخت ارزاں گراں فی میری

گرد بادِ رویتابی ہوں مر جی شوق ہے بانی میری
 دہن اس کا جو نہ معلوم ہوا کھل گئی بیچھڑانی میری
 کر دیا صنعت نے عاجز غالب

تنگ پیری ہے جوانی میری

نقشِ ناز بہ طرازِ باغِ خوشِ قیب پائے ملاؤ س پے خامہ مانی مانگے
 تو وہ بد خو کہ تھیسر کو تماشا جانے غم وہ افسانہ کا شفتہ بیانی مانگے

وہ تپ عشق تمنا ہے کہ پھر صورتِ شمع

شعلہ تابِ صبحِ جگر ریشہ دوانی مانگے

گلشن کو تری صحبت از بسکہ خوش آئی ہے ہر غنچہ کا گل ہونا آغوشِ کشائی ہے
 واں کنڈلا ستغنا ہر دم ہے بلند پی یاں نالہ کو اور اٹا دھولے سبائی ہے
 از بسکہ بسکھاتا ہے غم ضبط کے اندازے

جو داغِ نظر آیا اک چشمِ نائی ہے

جس زخم کی ہو سکتی ہو تہِ بیسِ رُفکی لکھ دیجیو یارب اسے قسمت میں عدو کی
 اچھا ہے سراگشتِ حنائی کا تصو دل میں نظر آتی تو ہے اک بوندِ لبو کی
 کیوں ڈھرتے ہو عشاق کی بے وصلگی سے یاں تو کوئی سنسنہ نہیں فریادِ کسو کی

دشنے نے کبھی منہ نہ لگایا ہو جگر کو غمخیز نے کبھی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
 صد حیف وہ ناکام کر اک عمر سے غالب
 حسرت میں رہے ایک بتِ غمخیز کی

سیما پشتِ گرمی آئینہ دے کہ ہم حیراں کئے ہوئے میں دلِ بیقرار کے
 آغوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے
 اے عندلیب چل کہ چلے دن بہا کے

ہیں وصل و ہجر عالمِ تمکین و ضبط میں معشوقِ شوق و عاشقِ دیوانہ چاہیے
 اُس لب سے بل ہی جائیگا بوسہ کبھی تو ہاں
 شوقِ فضول و جرأتِ زندانہ چاہیے
 چاہیے اچھوں کو جتنا چاہیے یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیے
 صحبتِ زنداں سے واجب ہے خدِ جائے اے اپنے کو کھینچا چاہیے
 چاہئے کو تیرے کیا بھلا تھا دل بائے اب اس سے بھی کھجا چاہیے
 چاکِ مت کر جیب بے ایامِ گل کچھ ادھر کبھی اشارا چاہیے

دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوڑا چاہیے
 دشمنی نے میری کھویا غیر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہیے
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سعی یار ہی ہنگامہ آرا چاہیے
 منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیے
 غافل ان مرہ طلقوں کے واسطے چاہنے والا بھی چھپا چاہیے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اس
 آپ کی صورت تو دیکھا چاہیے

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں مجھ سے میری رفتار سے بھاگے ہے یہاں مجھ سے
 درس عنوان تماشا بہ تغافل خوشتر ہے نگہ رشتہ شیرازہ مڑکاں مجھ سے
 وحشتِ آتشِ دل سے شبِ تنہائی میں صورتِ دُور ہا سایہ گزریاں مجھ سے
 غمِ عشاق نہ ہوسا دگی آموزِ بتاں کس قدر خاندانِ آئینہ ہے دیراں مجھ سے
 اثرِ آبلہ سے جادہٴ محرابِ جنوں صورتِ رشتہ گوہری چراغاں مجھ سے
 بے خودی بستہ تہمید فراغت ہو جو پڑ ہے سایہ کی طرح میرا شستاں مجھ سے
 شوقِ دیدار میں گر تو مجھے گردن مائے ہو نگہِ مشعلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے

بیکسی ہائے شبِ ہجر کی وحشت ہے سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے نہاں مجھ سے
 گردِ شمسِ ساغرِ صد جلوہ رنگیں تجھ سے آئینہ داریِ یک دیدہ حیراں مجھ سے
 نگہ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد
 ہے چراغانِ خس و خاشاکِ گلستاں مجھ سے

بختِ چیں جو غمِ دل اُس کو سنا کے نہ بنے کیا بنے بات جہاں بات بنا کے نہ بنے
 میں بلاتا تو ہوں اس کو مگر اے جذبہِ دل اُس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
 کھیل سجا کر کہیں چھوڑنے نہ بھول نہ جائے کاش یوں بھی ہو کہ بن میرے ستائے نہ بنے
 غیر بھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے
 اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا ہاتھ آویں تو انھیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 کہہ سکے کون کہ یہ جلوہ گری کس کی ہے پردہ چھوڑا ہے وہ اُس نے کہ اٹھائے نہ بنے
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ بنے تم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 بوجھ وہ سر سے لگا رہے کہ اٹھائے نہ اٹھے کام وہ آن پڑا ہے کہ بنا کے نہ بنے

عشقِ پرزور نہیں ہے یہ وہ آتشِ غالب
 کہ لگائے نہ لگے اور بھجائے نہ بنے

چاک کی خواہش اگر وحشت بھریانی کہے صبح کے مانند زخمِ دل گریبانی کرے
 جلوہ کا تیسرے وہ عالم ہے اگر کیسے خیال دیدہ دل کو زیارت گاہ حیرانی کرے
 بے شکستن سے بھی نل تمبید یارب کب تک آگسٹ کوہ پر عرض گراں جانی کرے
 میکدہ گر چشمِ مست ناز سے پاؤں شکست موئے شیشہ دیدہ ساغر کی ٹرگانی کہے

خطِ عارض سے لکھا جو زلفِ الفت نے عہد

یک قلم منظور ہے جو کچھ پریشانی کرے

وہ آکے خواب میں تسکینِ اضطراب دے دے مجھے تپشِ دل بجا لبِ خواب تو دے
 کرے ہے قتل لگاؤ میں تیرا رونا تری طرح کوئی تیغِ نگہ کو آب تو دے
 دکھا کے حبشِ لب ہی تمام کر ہم کو نہ دے جو بوسہ تو منہ سے کہیں چاہے دے
 پلائے اوک سے ساتی جو ہم سے نفرت ہے پیالہ گر نہیں دیتا نہ دے شراب تو دے

اسد خوشی سے مے تھ پادوں پہول گئے

کہا جب اس نے ذرا میسے پاؤں داب دے

تپش سے میری تھ کشکش ہر تارِ بستر ہے مرا سرِ سجِ بالیں ہے مرا تن بارِ بستر ہے
 مرتکبِ سوجھا فادہ نورِ العینی من ہے دلِ بے دستِ پا افتادہ بر خودِ بستر ہے
 خوشا اقبالِ بخوری عبادت کو تم آئے ہو فروغِ شمعِ بالیں طالعِ بیدارِ بستر ہے

یہ طوفان گناہ جوشِ خطرِ آبِ شامِ تنہائی
شعلہ آفتابِ صبحِ محشرِ تاریکِ بستر ہے
ابھی آتی ہے بالمش سے اسکی نعلِ شکیر کی
ہماری دید کو خوابِ لینا عابرِ بستر ہے
کہوں کیا دل کی کیا حالت ہے ہجرِ یاسِ غالب

کہ بیتابی سے ہر اک تارِ بسترِ خوابِ بستر ہے
خطرِ پریشانیِ الفتِ گلِ گردن نہ ہو جائے
غزویِ دوستیِ آفت ہے تو دشمن ہو جائے
سجھ اس فصل میں کوتاہ ہے نشو و نما غالب
اگر گل سرو کے قامت پر پیر ہو جائے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے نالہ پا بند لے نہیں ہے
کیوں بولتے ہیں باغبانِ توبہ گر باغِ گدائے تم نہیں ہے
ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے پر تجھ سے کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیوِ مستِ فریبِ ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
شادی سے گزر کہ غم نہ ہوئے لرزدی چون ہو تو ہے نہیں ہے
کیوں رد و قدر کرے ہے زاہد مے ہی گلس کی قے نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے لے نہیں ہے

نہ پوچھو نہ سہم جو حاجت دل کا کہ اس میں ریزہ الماس جزوِ عظم ہے
ہستادوں میں تغافل نے تیرے پیدا کی
وہ اک نگہ کہ بظاہر نگاہ سے کم ہے

ہم رشک کو اپنے بھی گوارا نہیں کھتے مرنے ہیں مگر ان کی تمنا نہیں کرتے
در پردہ انہیں غیر سے ہے ربطِ نہانی ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پڑا نہیں کرتے
یہ باعثِ نو میدیِ اربابِ ہوس ہے
غالب کو برا کہتے ہو اچھا نہیں کرتے

کہے ہے بادہ تے لب سے کسبِ ننگِ فروغ خطِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
کبھی تو اس سببِ شوریہ کی بھی داوڑے کہ ایک عمر سے حسرت پرستِ بالیں ہے
بجائے گرنے سننے والے بے بسِ زار کہ گوشِ گلِ نمِ شبنم سے پند آگیاں ہے
آسد ہے نزع میں چل جائے قابضِ خدا
مقام ترکِ حجاب و دایِ تمکین ہے
کیوں نہ جو چشمِ بتاں موجِ تغافلِ کمون ہو یعنی اس بیمار کو نظارے پر ہیتر ہے

مرتے مرنے دیکھنے کی آرزو رہ جائے گی ولے ناکامی کو اُس کا خیر تیز ہے

عارضی گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد

ہمیشہ فصل بہاری اشتیاق انگیز ہے

دیباے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہیے ہوا رقیب تو ہونا مبر ہے کیا کہیے

یہ ضد کہ آج نہ آئے اور آئے بن نہ رہے قضا سے حکوم میں کس قدر ہے کیا کہیے

رہے ہیوں گے بے گھر کہ کوئے دوست کو اب اگر نہ کہیے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہیے

نہے کرشمہ کیوں ٹے دکھا ہے ہم کو فریب کہ بن کہے بھی انھیں سیخ رہے کیا کہیے

مجھ کے کرتے ہیں بازاریوں پر سبش حال کہ یہ کہے کہ سیر رہ گزر ہے کیا کہیے

تعبیں نہیں ہے سررشتہ وفا کا خیال ہمارے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہیے

انھیں حال پر ہم جنوں ہے کیوں لڑیے ہمیں جواب سے قطع نظر ہے کیا کہیے

حسد مترکے کمال سخن ہے کیا کیجے ستم بہائے متلاخ ہنس رہے کیا کہیے

کہا ہے کس نے کہ غالب بُرا نہیں لیکن

سوائے اس کے کہ آشفہ سر ہے کیا کہیے

دیکھ کر درپردہ گرم دامن افشانی مجھے گر گئی وابستہ تن میری عریانی مجھے

بن گیا تیغِ تنگدہ یار کا سنگِ فشان مرجا میں کیا مبارک ہے گرا بخانی مجھے

کیوں ہو بے التفاتی اس کی خاطر جمع ہے جانتا ہے مجھ پر شہائے پہنائی مجھے
 میرے غمخیز کی قسمت جب قسم ہونے لگی لکھ دیا نمود اسباب ویرانی مجھے
 بنگال ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کا سکے اس قدر ذوق نوائے مرغ بستانی مجھے
 دوائے دل بھی شورِ عشرت نے ندوم لینے دیا لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے
 وعدہ آنے کا وفا کبھی یہ کیا انداز ہے تم نے کیوں نہی ہو میرے حُر کی دریانی مجھے
 ہاں نشاطِ آبدِ فضل بہاری دوا دلا پھر ہوا ہے تازہ سوائے غرِ خوانی مجھے

دی مرے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی

میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے سجد زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے
 ہے کشادہ خاطر و استہ در رہن سخن تھا طلسمِ فضلِ محبہ خانہ کتب مجھے
 یارب اس شہساز کی داد کس سے چاہیئے رکھک آسائش پہ ہر زندانی کی اب مجھے
 طبع ہے مشتاقِ لذتِ طبعِ حسرت کیا کرو آرزو سے ہر شکستِ آرزو مطلب مجھے

دل لگا کر آپ بھی غالب مجھی سے ہو گئے

عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

حضورِ شاہ میں اہلِ سخن کی آزمائش ہے
 جہنم میں خوش نوا یا بن جہنم کی آزمائش ہے
 قدو گیسو میں قس کوہن کی آزمائش ہے
 جہاں ہم ہیں ان اردو سن کی آزمائش ہے
 کریں گے کوہن کے حوصلہ کا امتحان آخر
 ہنوز اُمّ خستہ کے سرے تن کی آزمائش ہے
 نسیم مصر کو کیا پسیر کُناں کی ہوا خواہی
 اُسے یوسف کی بچے پر سن کی آزمائش ہے
 وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیو پھر کہ غافل تھے
 شکیب صبر اہلِ خمسن کی آزمائش ہے
 رہے دل میں ہی تیرا چھا جگر کے پادہ بہتر
 نہیں کچھ سہہ زنار کے پھندے میں گیرائی
 چڑا رہ لے لے ابستہ میتابی سے کیا حال
 رگ پے میں جب تیرے ہر غم تب دیکھیے کیا ہو
 ابھی تو تلخی کام و دم کی آزمائش ہے

وہ اُمّیں گے مئے گھر و مہرہ کیسا دیکھتا غالب

نئے فنون میں اب چہج کہن کی آزمائش ہے

کبھی نیکی بھی اس کے جی میں گرا جائے ہو مجھے
 جفا میں لڑکے اپنی یاد شرملا جائے ہے مجھے
 خدایا جذبہ دل کی مگر تاشیر اُلٹی ہے
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچا جائے ہے مجھے
 وہ بدخوا و زیری استہانِ عشق طولانی
 عبارت مختصر قاصد بھی بھرا جائے ہے مجھے
 اُدھر وہ بدگمانی ہے ادھر بیہنا توانی ہے
 درپہچا جائے ہو اُس سے بولا جائے ہے مجھے

بسنہلنے ہے مجھے اے اُمید کی کیا قیامت
کہ امان خیال یا چھوٹا جائے ہے مجھے
محکمتِ بظرفِ نفاذِ رگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھے
ہوئے میں پاؤں ہی پہنے سرِ عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہے مجھ سے ٹھہرا جائے ہے مجھے

قیامت ہے کہ ہوئے مدعی کا ہمسفر غالب

وہ کا فر جو خدا کو بھی سونپا جائے ہے مجھے

ز بسکہ عشق تماشا جنوں علامت ہے
کشاہد و بستانِ خمرہ سیلی ندامت ہے
نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طعنِ بد چہرہ
تھے کہ آئینہ بھی لہلہ ملامت ہے
بیچ و تاپِ ہوس سیکھ عافیت مت توڑ
نگاہِ عجبِ سرِ شمشادِ سلامت ہے
وفا مقابلِ عولئے عشق بے بنیاد
جنوںِ ساختہ و تفیلِ گل قیامت ہے

لاغر اتنا ہوں کہ گر تو نرم میں جاؤں مجھے
میرا دمہ دیکھ کر کوئی بتلا دے مجھے
کیا تعجب ہے کہ اس کو دیکھ کر آجائے رحم
واں تک کوئی کسی جیلے سے پہچانے مجھے
منہ نہ دکھلائے نہ دکھلائے پر باندازِ خطاب
کھول کر پردہ ذرا نکھیں ہی دکھلا دے مجھے

یاں تلکیری گزقاری سے خوش ہو کیس

زلفِ گرین جاؤں تو شانے میں اُلجھا دے مجھے

باز بچہ اطفال ہے دنیا مے آگے ہوتا ہے شبِ روز تماشا مے آگے
 اک کھیل ہوا رنگِ سلیمان مے نزدیک اک بات ہوا عجاڑ سیما مے آگے
 جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جز وہم نہیں سستی اشیا مے آگے
 ہوتا ہے نہاں گردیں صحرائے موتے گھستا ہر جید خاکِ پیاما مے آگے
 مست پوچھ کر کیا حال ہر میرِ تہیہ پیچھے تو دیکھ کر کیا رنگِ ہر تیرا مے آگے
 سچ کہتے ہو خود ہیں خود راہِ لیا کیوں بول بیٹھا ہے بتِ آئینہ سیما مے آگے
 پھر دیکھئے انداز گل افشانی گفتار رکھ دے کوئی چاندِ وہبیا مے آگے
 نفرت کا گماں گزرتے ہیں رشکِ گرا کیونکر کہوں لو نام اُن کا مے آگے
 ایاں مجھے بڑے ہر تو کھینچے ہے مجھے کٹر کھیر مے پیچھے ہے کلیسا مے آگے
 عاشق ہوں پہ عشقِ فریبی سے را کا مجنوں کو برا کہتی ہے کیلا مے آگے
 خوش ہوتے ہیں پر وں میں لڑ نہیں جاتے آئی شبِ بھراں کی تما مے آگے
 ہے مجھ کو اک قلمِ خوش کا ش ہی ہو آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مے آگے
 گویا تم کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو مے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مے آگے

ہم پیشہ وہم شراب ہوا ہے میرا

غالب کو برا کیوں کہو اچھا مے آگے

کہوں جو حال تو کہتے ہو دعا کیے
 نہ کہیو طعن سے پھر تم کہ ہم سنگریں
 وہ نیشتر سہی پڑل میں جب اُتر جائے
 نہیں ذریعہ راحت جراثیم پیکال
 جو مدعی بنے اُس کے نہ مدعی بنیے
 کہیں تحقیقت جانکا ہی مرض کھئے
 کبھی شکایت رنج گراں نشیں کیجے
 رہے نہ جان تو قاتل کو خوب ہادیجے
 نہیں نگار کو الفت نہ ہونگا تو ہے
 نہیں بہار کو فرصت نہ بہار تو ہے
 تہی کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کیئے
 مجھے تو خو ہے کہ جو کچھ کہو بجا کیئے
 نگاہِ ناز کو پھر کیوں آشنا کیئے
 وہ رخم تیغ ہے جس کو کہ دلکش کیئے
 جو نامترا کہے اس کو ذنا منرا کیئے
 کہیں مصیبتِ ناسازی دوا کیئے
 کبھی حکایتِ صبرِ گرِ ز پا کیئے
 کٹے زبان تو خنجر کو مرجا کیئے
 روانیِ روش وستی ادا کیئے
 طراوتِ چمن و خوبی ادا کیئے

سفید جب کہ کندے پہ آ لگا غالب

خدا سے کیا ستم و جورِ نا خدا کیئے

رونے سے اور عشق میں بہاں ہو گئے
 صرف بہاؤ سے ہوئے آفاتِ میکشی
 دھوکے گئے ہم اتنے کہ بس پاں ہو گئے
 تھے یہ ہی دو حساب یوں پاں ہو گئے
 بارے طبعِ حق کے تو چا لاک ہو گئے
 سوئے ہر گروہ آوارگی سے ہم

کہتا ہے کون نالہ مہبل کو بے اثر
 پرے سے گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
 پوچھے کیا وجودِ علم اہل شوق کا
 آپنی آگ سے خوں خاشاک ہو گئے
 کرنے گئے تھے اس سے فغان کا ہم گلہ
 کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
 اس رنگ سے ٹھانی کل اُسی اسد کی لعش
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے غمناک ہو گئے

نشد ہا شاداب رنگ ساز ہا مست طلب
 شیشے سے سرو سبز جو بیار نغمہ ہے
 ہم نشین مت کہہ کہ برہم کرنے بزمِ عیش و مست
 وال تو میرے نالہ کو بھی اعتبار نغمہ ہے

عرضِ نابزش و خجی دندان بولے خندہ ہے
 دھوئے جھیت احباب جلے خندہ ہے
 ہے عدم میں غمچہ محوِ مہرِ انجم گل
 یک جہاں زانو نائل متفائے خندہ ہے
 کلفتِ افسردگی کو عیش بے تابی حرام
 ورنہ دندانِ مول اختر بنائے خندہ ہے
 شورشِ باطل کے میں احباب منکر و نہیال
 دل محیطِ گریہ و لب آشنائے خندہ ہے

حسنِ بے پردہ خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
 آئینہ انوکھے فکرِ اختراعِ جلوہ ہے
 تاکہ لائے آگہی رنگِ تماشِ باخشن
 چشم و اگر دیدہ آغوشِ دایعِ جلوہ ہے

جب تک ہاں زخم نہ پیدا کرے کوئی مشکل کہ تجھ سے باہ سخن واکرے کوئی
 عالم غبار و حشرِ مجنوں ہے سرسبز کب تک خیالِ طرہ لیساکرے کوئی
 افسردگی نہیں طرب انشاءے التفات ہاں دردِ کجِ دل میں مگر طاکرے کوئی
 رونے سے نئے ندیمِ طامت نہ کر مجھے آخر کبھی تو عقدہ دل واکرے کوئی
 چاکِ جگر سے جیچے پریش نہ و امروئی کیا فائدہ کہ عیب کو رسوا کرے کوئی
 نعتِ جگر سے درگِ ہر خار شاخ گل تا چند باغبانی صحرایے کوئی
 ناکامی نگاہ ہے برقِ نظارہ سنو تو وہ نہیں کہ تجھ کو تماشا کرے کوئی
 ہر سنگِ خشتِ ہر صدفِ گوہر شکست نقصان نہیں جنوں سے جو سوا کرے کوئی
 سر ہوئی نہ وعدہ میرا نہ سے عمر فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی
 ہے وحشتِ طبیعتِ ایجا دیاس خیز یہ درد وہ نہیں جو پیدا کرے کوئی
 بیکاری جنوں کو ہر سر پٹنے کا شغل جب تک ٹوٹ جائیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد

پہلے دل گداخت پیدا کرے کوئی

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی میرے کھد کی دوا کرے کوئی

شرعِ قائمین پر مدار سہی ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی

چال جیسے کڑی کمان کا تیر دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
 بات پروا زبان کٹتی ہے وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
 بکے ہوں جس میں کیا کیا کچھ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
 یہ سنا کر بڑا کہے کوئی ! نہ کہو گر بڑا کرے کوئی
 روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی
 کون ہے جو نہیں ہے تاج محمد کس کی حاجت واکرے کوئی
 کیا کیا خضر نے سندر سے اب کسے رہنا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلا کرے کوئی

بارغ پاکر خفتانی یہ ڈراتا ہے مجھے سایہ شاخِ گلِ فعی نظر آتا ہے مجھے
 جو ہر تیغ پر سرِ چشمہ دیگر معلوم ہوں میں وہ منبر کدہ راگاتا ہے مجھے
 مدعا محو تماشائے شکستِ دل ہے آئینہ خانہ میں کوئی لے جاتا ہے مجھے
 نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کفِ خاک آسمان بیٹھ قمری نظر آتا ہے مجھے

زندگی میں تو وہ مھل سے اٹھادیتے تھے

دیکھو اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

روندی ہوئی ہے کوکبہ شہزادہ کی اترائے کیوں نہ خاک سیرِ گزار کی
جب اس کے دیکھنے کے لئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہولا نہ لار کی

بھوکے نہیں ہیں سیرِ گلستاں کے ہم ولے
کیونکر نہ کھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلتے بہت نکلتے مے ارمان مکن پھر بھی کم نکلتے
ٹپنے کیوں میرا قاتل کیا رہیگا اُس کی گزرن پر وہ خوں جو چشم تر سے عمر بھریوں مبدم نکلتے
نکلنا خلد سے آدم کا سننے آگے میں مکن بہت بے آبرو ہو کر تھے کوچہ سے ہم نکلتے
بہرِ مٹل جائے ظالم تھے قلمت کی درازی کا اگر اس خردِ بچیج کا بھی بچِ جسم نکلتے
مگر کھسولے کوئی اُس کو خط تو ہم سے لکھوئے ہوئی صبح اور گھر سے کان پر کھ کر قلم نکلتے
ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے بادہ آسائی پھر آدھ نمانہ جو جہاں میں جامِ ہم نکلتے
ہوئی جن سے توقعِ خستگی کی داد پانے کی وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغِ ستم نکلتے
عصبت میں نہیں ہے فرق جینے اور مرنے کا اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جب کا فریم نکلتے
خدا کے واسطے پردہ نہ کہے کا اٹھا و اعظ کہیں ایسا نہ ہو یاں بھٹی بھٹی کا فریم نکلتے

کہاں میخانہ کا دروازہ غالب و کہاں اعظ
پر اتنا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلتے

کوہ کے ہوں بارِ خاطر گرو صد ہو جائیے بے تکلف اے شرارِ جب تک کیا ہو جائیے
بیضا آسائنگِ بالِ پر ہے یہ کجِ قفس از سیرِ نو زندگی ہو گریہا ہو جائیے

مستیِ بندِ ق غفلتِ ساقیِ ہلاک ہے موجِ شرابِ یک شرہ خواناک ہے
جز زخمِ تیغِ ناز نہیں دل میں آندو جیبِ خیال بھی تے ٹاتھوں سے چاک ہے
جو غمِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں سد صحرایِ ہیکھ میں کیمشتِ خاک ہے
لبِ عیسیٰ کی جنبش کرتی ہے گوارہِ جنبانی قیامتِ کشائے لعلِ تباں کا خواب سنگیں ہے

آمدِ سیلابِ طوفانِ صدائے آب ہے نقشِ پا جو کان میں کھتا ہے انگلیِ جادہ سے
بزمِ حشر کد ہے کسی چشمِ مست کا خیشے میں غصہ پر پی نہاںِ موجِ باد سے

ہوں میں بھی تماشا فانیِ نیرنگِ تمنا مطلب نہیں کچھ اس لئے کہ مطلب ہی برآوے

سیاہی جیسے گر جائے دُہمِ تحریر کا غد پر مری قسمت میں یوں تصویر، پہ پہا بھرا کی

ہجومِ نالہ حیرتِ عاجزِ عرضِ یکِ فغاں ہے خموشیِ ریشہِ سدیستاں سے خنِ نڈاں ہے
 مختلفِ ہر طرفِ ہر جاں تالِ ترطیفِ بدخیاں نگاہِ بے حجابِ نازِ تیغِ تیرِ عریاں ہے
 ہوئی یہ کثرتِ غم سے تلفِ کیفیتِ شادی کہ صبحِ عیدِ تجھ کو بدتر از چاکِ گریباں ہے
 دلِ دینِ نقدِ لاساقی سے گروڑا کیا چاہے کہ اس بازار میں ساغرِ متاعِ دستِ گرداں ہے

غمِ آغوشِ بلا میں پرورش دیتا ہے عاشق کو

چراغِ روشن اپنا قلمِ صرصرِ کامر جاں ہے

خوشیوں میں تماشا دوا کھلتی ہے نگاہِ ال سے تجھے سرسرا کھلتی ہے
 فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم صبا جو غنچہ کے پرے میں جا کھلتی ہے

نہ پوچھ سیدہ عاشق سے آپ تیغِ نگاہ

کہ زخمِ روزِ نِ در سے ہوا کھلتی ہے

جس جاں نسیمِ شانِ کُشِ نِ لبِ تار ہے نافِ دماغِ آہوے دشتِ تار ہے
 کس کا سراغِ جلوہ ہے حیرتِ کواے خدا آئینہِ درخشِ ششِ بہتِ انتظار ہے
 ہے ذرۂ ذرۂ تنگی جا سے غبِ شوق گردِ ام یہ ہے وصیتِ صحرِ اشکار ہے
 دلِ مدعی و دیدہ بنا مہِ عاقلیہ نظارہ کا مقدمہ پیر و بیکار ہے
 چہرے کے شبنمِ آئینہِ برگِ گل پہ آب اے عندلیبِ قہرِ طبعِ بہار ہے

کچھ آپڑی ہے وعدہ دلدار کی مجھے وہ آئے یا نہ آئے پر یا انتظار ہے
 بے پردہ سوئے دادی مجنوں گزندہ کر ہفتہ کے نقاب میں دل بے قرار ہے
 اے عنذلیب یک کیف خس بہر آشیا طوفان آمد آمد فصل بہار ہے
 دل مت گنوا خبر نہ سہی سیر جی سہی اے بے دماغ آئینہ تمثال ہمار ہے
 غفلت کفیلِ عمر آمد ضامنِ نشاط
 اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے ایسا کہاں سے لاول کہ تجھ سا کہیں جسے
 حسرت نے لار کھا تیری بزمِ خیال میں گھڑ سہ نگاہِ سوید اکہیں جسے
 پھونکے کس نے گوشِ محبت میں لکھڑا افسوں انتظار تمنا کہیں جسے
 سر پر جھوم دروغِ جی سے ڈالیے وہ ایک مشغِ غلک کہ صحر اکہیں جسے
 ہے چشمِ تریں حسرتِ دیدار سے نہاں شوقِ حنا گسیختہ دیا کہیں جسے
 درکار ہے گفتنِ گہائے عیش کو صبح بہارِ نپسینا کہیں جسے
 غالب بُرا نہ مان جو واعظِ بُرا کہے

ایسا بھی کوئی ہے کہ سب چھا کہیں جسے

شبنم بگل لالہ نہ خالی زِ ادا ہے داغِ دل بیدرد نظر گاہِ حیا ہے
 دل خوں شدہ کشفِ حسرتِ یاد آئینہ بدست بہت بدستِ حیا ہے
 شعلہ سے نہ ہوتی ہوسِ شعلہ نے جو کی جی کس قصہ افسردگیِ دل پہ جلا ہے
 مثال میں تیری ہے ہوشوخی کہ بضدِ ق آئینہ باندازِ گلِ آغوشِ کشا ہے
 قمری کفِ خاکستر و بلِ نفسِ نگ لے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے
 خونے تری افسردہ کیا وحشتِ دل کو معشوقی و بے حوصلگی طرفہ بلا ہے
 مجبورِی و دعوائے گرفتارِی الفت دستِ تیرے تنگ آمدہ ایمانِ فاس ہے
 معلوم ہوا حالِ شہیدانِ گزشتہ تیغِ ستم آئینہ تصویرِ نما ہے
 اے پر تو خوردِ شہیدِ جہانِ تابِ ادھر بھی سایہ کی طرح ہم پہ عجبِ قت پڑا ہے
 ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی بے ناز یارب اگر ان کو وہ گناہوں کی نہرا ہے

بیگانگیِ خلق سے بے دل نہ ہو غالب
 کوئی نہیں تیرا تو مری جانِ خدا ہے

منظور تھی یہ شکلِ تجسّی کو نور کی قسمت کھلی ترے قد و رخ کے طہور کی
 اک خونچکاں کفن میں کر ڈر دنِ ثاویں پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر جو کی

واعظ نہ تم پیچ نہ کسی کو پلاسکو
 کیا بات ہو تمہاری شراب ٹھوکی
 لڑتا ہو مجھ سے حشر میں قاتل کہ کیوں اٹھا
 گویا ابھی سنی نہیں آواز صُور کی
 آمد ہمار کی ہے جو بلبل ہے نغمہ سنج
 اگتی سی اک خبر ہے بانی طیبہ کی
 گوداں نہیں چال کئے ہو کو تہیں
 کعبہ سے ان تہوں کو بھی نسبت دور کی
 کیا فرض ہو کہ سب کو بے ایک سا جواب
 آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کہ طور کی
 گری ہی کلام میں لیکن اس قدر
 کی جس سے بات اُسے شکایت ضرور کی

غالب گراس سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں

جج کا ثواب نذر کروں گا حضور کی

غم کھانے میں بودا دلِ ناکام بہت ہے
 یہ رنج کہ کم ہے بے گلفام بہت ہے
 کہتے ہوئے ساقی سے جیا آتی ہے ورنہ
 ہے یوں کہ مجھے درو تہ جام بہت ہے
 نے تیر کہاں میں ہے نہ صیاد کمیں میں
 گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے
 کیا زہ کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ ریائی
 پاداشِ عمل کی طمع خام بہت ہے
 ہیں اہلِ خرد کس روشِ خاص پنازاں
 پابستگیِ رسم رہ جا بہت ہے
 زہم ہی پہ چھوڑو مجھے کیا طوفِ حرم ہے
 آلودہ بنے جسدِ احرام بہت ہے
 ہے ہنر کہ اب بھی خبے بات کہ ان کو
 انکار نہیں اور مجھے ابرام بہت ہے

خون ہو کر جگر آنکھ سے ٹپکا نہیں اے مرگ
 رہنے دے مجھے یاں کہ ابھی کام بہت ہے
 ہوگا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے
 شاعر تو وہ اچھا ہے یہ بدنام بہت ہے

دلت ہوئی ہے یاد کو مہماں کئے ہوئے
 کویا ہوں جمع پھر جگر بخت بخت کو
 پھر وضع احتیاط سے نہ کئے لگاتے دم
 پھر گرم نالہ ہائے مستی بار ہے نفس
 پھر پریش جرات دل کو چلا ہے عشق
 پھر بھڑا ہوں خامہ شرکاں بخون دل
 باہم دگر ہوئے ہیں دل دیدہ پھر رقیب
 دل پھر طوائف کوئے طاہر کو جائے ہی
 پھر شوق کر رہا ہے خستہ اراد کی طلب
 دوڑے ہی پھر ہر ایک گل لالہ خیال
 پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کھولنا
 مانگے ہے پھر کسی کو لب بام پر بوس

جوش قہج سے نرم چراغاں کئے ہوئے
 عرصہ ہوا ہے عورت مرگاں کئے ہوئے
 برسوں ہوئے ہیں چاک گریباں کئے ہوئے
 دلت ہوئی ہے سیر چراغاں کئے ہوئے
 سامان صد نہر از سکداں کئے ہوئے
 ساز چین طرز از ہی اماں کئے ہوئے
 نظارہ و خیال کا سماں کئے ہوئے
 پندار کا صنم کردہ ویراں کئے ہوئے
 عرض تلخ عقل دل مجاں کئے ہوئے
 صد گلستان نگاہ کا سماں کئے ہوئے
 جاں نذر دل فریبی عنوان کئے ہوئے
 زلف سیاہ منہ پر پریشاں کئے ہوئے

چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آرزو سرمد سے تیز دشنہ مڑگاں کیئے ہوئے
 اک نو بہارِ ناز کو تاکے ہے پھر نگاہ چہرہ فروغ سے گلستاں کیئے ہوئے
 پھر جی میں ہے کہ درپہ کسی کے پیچھے ہیں سرسبز بار منتِ درباں کے ہوئے
 جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ آگیا بیٹھے ہیں تصویرِ جاناں کیئے ہوئے

غالب ہیں نہ پھر کہ پھر جو شاکس سے

بیٹھے ہیں ہم تہیہ طوفان کیئے ہوئے

نوبہارِ امن ہر میدادِ دوست جاں کے لئے رہے نہ طرزِ رسم کوئی آسماں کے لئے
 بلا سے گر مژدہ یا رتشنہ خوں ہے رکھوں کچھ اپنی بھی مڑگاں غنچہ پال کے لئے
 وہ ذمہ ہم ہیں و شناسِ خلق نے خضر وہ تم کہ چور بنے عمر جاوداں کے لئے
 رہا بلا میں بھی میں بتلائے آفتِ شک بلائے جاں ہے ادا تیری ایک جاں کے لئے
 فلک دور رکھ اُس سے مجھے کہ میں نہیں ورازدستی قاتل کے امتحاں کے لئے
 مثال یہ مری کوشش کی کہ مرغِ اسیر کرے نفس میں فراہم خس امتیاں کے لئے
 گدا سمجھ کے وہ چٹھری جو شامت آئی اٹھا اور اٹھ کے قدم میں تپا سبائ کے لئے
 بقدر شوق نہیں فرق تنگنائے غزل کچھ اور چاہیئے ہمت سے بیاں کے لئے
 دیا ہے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے بنا ہے عیشِ تجمل حسین خاں کے لئے

نیاں پہ پارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا کہ میسے نطق نے بوسے مرئی ہاں کے لئے
 نصیرِ دولتِ ثوبیں اور معینِ قلتِ ملک بنا ہے چرخِ بریں جس کے گستاں کے لئے
 زمانہ ہمد میں اُس کے ہے محو آرایش نہیں گئے اور ستارے اب سماں کے لئے
 ورقِ تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفینہ چاہیے اس بھر بیکراں کے لئے

ادائے خاص سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا

صلائے عام ہے یا رانِ نکتہ داں کے لئے



قطرہ

اٹھا اک دن گولاسا جو میں کچھ خوش و مست میں
 پہر آسیدہ سر گھبرا گیا تھا جی بہا یاں سے
 نظر آیا مجھے اک طاہر مروج پر بستہ
 پھٹتا تھا سر شوریدہ دیوار گلستاں سے
 کہا میں نے کہ اوں کام آخر ماہر کیا ہے
 پڑا ہے کام تجھ کو کس تنگد آفت جاں سے
 ہنسا کچھ کھل کھلا کر پہلے پھر تجھ کو جو پہچانا
 تو یوں رویا کہ تجھے خوں ہی ملکوں کو اماں سے
 کہا میں صدید محل سے کہ جس کے دام گیسویں
 پھنسا کرتے ہیں ظائر روز آکر نارغ و ضواں سے
 اُسی کی نلف و نچ کا دھیان ہو شام و صبح کو
 یہ مطلب کہ غم سے ہوا دشمن ہے کچھ کام کیاں سے

بچشم غور جو دیکھا مرا ہی طاہر بدل تھا
 کہ جل کر ہو گیا تھا خاک اپنی آؤ سوزاں سے

مرثیہ

ہاں اے نفسِ بادِ حشرِ شعلہ فشاں ہو اے دھلے خونِ چشمِ ملائک سے رواں ہو
 اے زفرِ مہِ قلم لبِ عیسیٰ پہ فغاں ہو اے ماتمیانِ شہِ مظلوم! کہاں ہو
 بگڑی ہے بہت بات بنائے نہیں بنتی

اب گھر کو بغیر آگ لگائے نہیں بنتی

تا پِ سخن و طاقتِ غوغا نہیں ہم کو ماتم میں شہِ دیں کے ہیں سودا نہیں ہم کو
 گھر چوکنے میں اپنے محابا نہیں ہم کو گر چرخ بھی جل جائے تو پروا نہیں ہم کو
 یہ خرگہ نہ پایہ جو مدت سے بہا ہے

کیا خیمہ شبیر سے تہ میں سوا ہے

کچھ اور ہی عالم ہے دلِ چشمِ وزباں کا کچھ اور ہی نقشہ نظر آتا ہے جہاں کا
 کیسا خلک اور مہر جہاں تاں کہاں کا ہوگا دلِ بیتاب کسی سوختہ جہاں کا

اب ساعقہ دہر میں کچھ فرق نہیں ہے

گرتا نہیں اس رو سے کہو برق نہیں ہے

قصیدہ

سازیک درہ نہیں فیضِ حین سے بیکار
 مستی بادِ صبا سے ہے بحرِ رضِ سبز
 ہنر ہے جامِ زہر کی طرح داغِ پتنگ
 مستی ابر سے گھبین طرے سے حسرت
 کوہِ دمحا ہر سموری شوقِ لبیل
 سوچے ہے فیض ہوا صورتِ مرگانِ تہیم
 کاٹ کر پھینکے ناخن تو بہ اندازِ بلال
 کفِ ہر خاک بگردِ دل شدہ قمری پرواز
 میکدے میں ہوا گرا آرزوئے گل چینی
 مہجِ گل ڈھونڈ بختِ تکرہ غنچہ باغ
 کھینچے گر مانی اندیشہ حین کی تصویر
 لعل سے کی ہے پئے زہرِ مدحتِ شاہ
 وہ شہنشاہ کہ جس کی پئے تعمیرِ سر
 فلکِ العرش جو چرخِ خم دو شبنمِ زہر

سایہ لالہ بے داغ سوید لے ہمار
 ریزہ شیشہ ہے جو ہر تیغِ کہار
 تازہ ہے ریشہ نابیخ صفت روئے شزار
 کہ اس آغوش میں ممکن ہے دو عالمِ کافشار
 ماہِ خوابیدہ ہوئی خندہ گل سے بیدار
 سرِ لُوثِ دو جہاں ابریکِ سطرِ عیار
 قوتِ نامیہ اس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
 دامِ ہر کاغذِ آتش زدہ طاؤسِ نیکار
 بھول جائیک قہجِ بادہ بلاقِ گلزار
 گم کرے گوشہ میخانہ میں گر تو دستار
 سبزِ مثلِ خطِ نو خیسر ہو خطِ پر کار
 طوطیِ سبزہ کہسار نے پیدا افتار
 چشمِ جمیل ہوئی قالبِ خشتِ دیوار
 رشتہ فیضِ ازل سائے ظاہرِ معمار

سبز نہ چمن دیک خطِ پشت لب بام
 وال کی خاشاک سے چمن مجھے یکے کا
 خاک صحوئے نجف جو ہر سیرِ عرفا
 ذرہ اس گرد کا غورِ شید کو آئینہ ناز
 رختِ بہتِ صدف ایک سوچِ حصار
 وہ رہے مروضہ بالِ پری سے جینزار
 چشمِ نقشب قدم آئینہ بختِ بیدار
 گرد اس دشت کی امید کو احرام بہار
 عرضِ خمیازہ ایجاد ہے ہر موجِ غبار
 عرضِ مستی ناز

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہرے شمعِ شبستان بہار
 شکلِ طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
 تیری اولاد کے غم سے ہر بے گردوں
 ہم عبادت کو ترا نقشب قدم مہر ناز
 لوح میں تیری نہاں مژدہ نعتِ نبی
 جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
 مرومک سے ہو عزا خانہ اقبالِ نگاہ
 چشمِ آلِ نبی کو پلِ سرب خانہ دہر
 دلِ تامل آسما آئینہ یک پر تو شوق
 دل پرواز چرخاں پر ٹیبل گلزار
 ذوق میں جلوہ کے تیرے پہوئے دیدار
 سلبِ اختر ہیں مہ نو مژدہ گوہر بار
 ہم ریاضت کو تیرے حوصلہ سے استہطار
 جام سے تیرے عیاں بادہ جوشِ اسرار
 یک طرف نمازش فرکانِ دگر سو غمِ خار
 خاکِ در کی ترے جو چشم نہ ہو آئینہ وار
 عرضِ خمیازہ سیلابِ مطلق دیوار
 فیضِ معنی سے خطِ اسرارِ اتم سرشار

۱۳۳
قصیدہ

دہر جز بسلوہ کیتائی محشوق نہیں
 بے دلی ہائے تماشا کہ نہ جرت ہونہ ذوق
 ہرزہ ہے نعمتِ زیر و بم ہستی و عدم
 نقشِ معنی ہمہ خیازہ عرضِ صورت
 لافِ دانش غلط و نفعِ عبادت معلوم
 مثلِ مضمون و فسادِ بدستِ تسلیم
 عشق بے ربطی شیرازہ اجڑائے حواس
 کوہِ کن گرسنہ مزد و رطب گاہِ رقیب
 کس نے دیکھا نفسِ اہلِ دفا آتشِ خیز
 سامعِ زمرہ اہل جہاں ہوں لیکن
 کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ حیا ڈالائے
 نقشِ لا حول لکھائے خامہ ہدیاں تحریر
 منظرِ فیضِ خدا جانِ ودلِ ختمِ رسل
 ہودہ سرا یہ ایجادِ جہاں گرمِ حرام

ہم کہاں ہوتے اگر حُسن ہوتا خود میں
 جیسی ہائے تنہا کہ نہ دنیا شے دیں
 لغو ہے آئینہ فسوقِ جنوں و تمکین
 سخنِ حق ہمہ پہ پیمانہ ذوقِ تحسین
 نرد و یک ساغرِ غفلت ہے چہ نیا و چہ دیں
 صورتِ نقشِ قدم خاکِ بفرقِ تمکین
 اصلِ رنگارنگ آئینہ حُسنِ یقین
 بے ستوں آئینہ خوابِ گراں شیریں
 کس نے پایا اثرِ نالہ دلہائے خریں
 نہ سروِ برگ ستایش نہ دماغِ نفیس
 یک قلمِ خارجِ آدابِ وقار و تمکین
 یا علی عرضِ کراے خطراتِ وسوسہ میں
 قبلہ آلِ نبی کعبہِ احبابِ یقین
 ہر کفِ خاک ہے ال گروہِ تصویب میں

جلوہ پرداز ہو نقشِ قدم اُس کا جس جا
 نسبتِ نام سے اُس کی ہر یہ رتبہ کہ ہے
 فیضِ خلق اُس کا ہی شامل ہے کہ ہوتا ہے
 'برزخِ تیغ' کا اُس کی ہے جہاں میں چرچا
 کفر و ساز کا وہ جلوہ ہر کہ جس سے لٹے
 جاں نیا بادل و جاں فیضِ سانا شاہ
 جسمِ اظہر کو ترے دوشِ پیہر منبر
 کس سے ممکن ہے تری لوحِ بغیر از واجب
 آستانِ پرہیزگرے جو ہر آئینہ سنگ
 تیرے دسکے لئے اسبابِ نثار آمادہ
 تیرے حق کے لئے ہیں دل و جاں کا دم زباں
 کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ مدوحِ خدا
 وہ کفِ خاک ہر ناموسِ دُعا کی میں
 ابداً پشتِ فلک خم شدہ ناز میں
 بوئے گل سے قفسِ بادِ صبا عطر آگین
 قطع ہو جائے سرِ رشتہ ایجاد کہیں
 رنگِ عاشق کی طرح رونقِ بہت خانہ چیں
 دھی خیمِ رُسل تو ہے یہ فتوئے یقین
 نامِ نامی کو ترے ناصیہِ عرشِ نگین
 شعلہ شمع مگر شمع پہ باندھے آئیں
 رقبہ بندگی حضرتِ جبریلِ امین
 خالکوں کو جو خدا نے دیے جانِ دل دیں
 تیری تسلیم کو ہیں لوح و قلم دست چہیں
 کس سے ہو سکتی ہے آراکشِ فردوسِ بریں

جنس باقارِ محاسنِ اسد اللہ اسد

کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

شوخیِ عرضِ مطالب میں ہو گستاخِ طلب ہے تھے حوصلہِ فضل پہ از بسکہ یقین

وے دعا کو مری وہ ترسہ حسنِ قبل
کہ اجابت کے ہر حرف پہ سوار آئیں
غیمِ شبیر سے ہو سینہ بیاں تک لہریز
کہ میں خونِ جگر سے مری آنکھیں لگیں
طبع کو الفتِ دُئل میں یہ مر گئی شوق
کہ جہاں تک چلے اس سے قدم اونچے ہیں
دلِ الفتِ نسبتِ سیدہ توحیدِ فضا
نگہِ جدوہ پرستِ نفسِ صدقِ گزیر

صرف اعداِ آخرِ شعلہ دو دو دو

وقفِ اجبابِ گلِ سنبلِ فردوسِ بریں

قصیدہ

ہاں نہ نو سنیں ہم اس کا نام
جس کو تو جھک کے کر رہا ہے سلام
دو دن آیا ہے تو نظر دمِ صبح
یہی انداز اور یہی اندام
بارے دو دن کہاں رہا غائب
بندہ عاجز ہے گردشِ آیام
اڑکے جاتا کہاں کہ تاروں کا
آسمان نے بچھا رکھا تھا دام
مرحبا اے سرورِ خاصِ خواص
جتنا اے نشاطِ عامِ عوام
عذر میں تین دن نہ آنے کے
لے کے آیا ہے عید کا پیغام
اس کو بھولانا چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
تیرا آغاز اور ترا انجام

رازِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
 جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
 نیں نے مانا کہ تو ہے علقہ بگوش
 جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
 مہرباں کو ہو تو ہولے ماہ
 مجھ کو کیا پایہ روشناسی کا
 جانتا ہوں کہ اُس کے فیض سے تو
 ماہ بن ، بہت اب بن میں کون
 میرا اپنا جدا معاملہ ہے
 ہے مجھے آرزوئے بخششِ خاص
 جو کہ بچنے کا تجھ کو فر فرورغ
 جبکہ چودہ منادِ فلکی
 تیرے پر تو سے ہوں فروغ پذیر
 دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز
 پھر غزل کی روشنی پہ جا بھلا
 مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں تمام
 ایک ہی ہے امید گاہِ انام
 غالب اس کا لگر نہیں ہے غلام
 تب کہا ہے بظراستہ فہام
 قریب ہر روزہ بر سبیلِ ددام
 جز بمقرب عیدِ ماہِ صیام
 پھر نیا چاہتا ہے ماہِ تمام
 مجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
 اور کے لین دین سے کیا کام
 گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام
 کیا نہ دے گا مجھے بے گلفام
 کر چکی قطع تیسری تیزیِ گام
 کوئے مشکوئے صحنِ منظر و بام
 اپنی صورت کراک بلوریں جام
 تو سن طبع چاہتا تھا لگام

زہرِ غم کر چکا تھا میرا کام
 تجھ کو کس نے کہا کہ ہو بد نام
 ہے ہی پھر کیوں نہ میں ہے جاؤں
 غم سے جب ہو گئی ہو زلیست حرام
 بوسہ کیسا ہی غنیمت ہے
 کہ نہ سمجھیں وہ لذتِ دشنام
 کعبہ میں جا بجائیں گے ناقوس
 اب تو باندھا ہے دیر میں احرام
 اس قدح کا ہے دورِ محمد کو نقد
 چرخ نے لی ہے جس سے گوشِ دام
 بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار
 دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

چھیڑتا ہوں کہ اُن کو غصہ آئے

کیوں مکھوں ورنہ غالب اپنا نام

کہہ چکائیں تو سب کچھ اب تو کہہ
 لے پری چہرہ پیکِ تیزِ حرام
 کون ہے جس کے در پہ ناصیہ سا
 ہیں مہ و مہرِ زہرہ و بہرام
 تو نہیں جانتا تو مجھ سے سُن
 نامِ شاہنشاہِ بلند مقام
 قبلہ چشمِ دل بہادرِ شاہ
 منظرِ زو و الجلال والا کرام
 شہسوارِ طریقتِ انصاف
 نو بہارِ حدیقتِ اسلام
 جس کا ہر قول معنی الہام
 بزم میں میسرِ بانِ قیصر و جم
 رزم میں استادِ رستم و سام

اے ترا لطف زندگی افزا لے ترا عہدِ فرخی فرجام
 چشمِ بد دورِ خسروا نہ مشکوہ خوش الشرفا رفا نہ کلام
 جانِ شادوں میں تیرے قیصرِ روم جُرمِ خواروں میں تیرے مرشدِ حلام
 وارثِ ملک جاتے ہیں تجھے ایرج و تور و خسرو و بہرام
 زورِ بازو میں مانتے ہیں تجھے گیو و گوردزو و بینزن و رام
 مرجسا و شگافی ناوک آفریں آبداریِ صمصام
 تیر کو تیرے تیر غیرِ بد و ف تیغ کو تیری تیغِ خضمِ نیام
 رعد کا کر رہی ہے کیا دم بند برق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے فیلِ گراں جسد کی صدا تیرے بخشِ سبکِ عناں کا خرام
 فرینِ صورتِ گری میں تیرا گزر گز نہ رکھتا ہو دسنگا ہ تمام
 اس کے مضر و ب کے سرو تن سے کیوں نمایاں ہو صورتِ ادغام
 جب ازل میں قسم پذیر ہوئے صفحہ ہائے لیالی و ایام
 اور اُن اوراق میں بجکبکِ قضا مجھلا سندرج ہوئے اجکام
 لکھ دیا شاہدوں کو عاشقِ کش کھد دیا عاشقوں کو دشمنِ کام
 آسمان کو کہا گیا کہ کہیں گنبدِ تیز گرد نیلی فام

حکم ناطق کھس گیا کہ بھلیں
خال کو دانہ اور زلف کو دام
آتش آب و باد و خاک نے لی
وضع سوز و غم و دم و آرام
مہرِ رخسار کا نام خسرو روز
ما و تاباں کا اسمِ شہنشاہ
تیری تو قبیح سلطنت کو بھی
دی بدستور صورتِ ارقام
کاتبِ حکم نے بموجبِ حکم
اُس قسم کو دیا طرازِ دوام
ہے ازل سے روانی آغاز
ہو ابد تک رسائی انجام

قصیدہ

صبحِ دم دروازہِ خاور کھلا
مہرِ عالم تاب کا منظر کھلا
خسروِ پنجسم کے آیا صرف میں
شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمیا کی سی نمود
صبح کو رازِ مرد و اختر کھلا
ہیں کو اکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا
سطحِ گردوں پر پڑا تھا رات کو
موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
صبح آیا جانبِ مشرق نظر
اک نگارِ آتشیں رُخ سر کھلا
تھی نظر بندی کیا جب رُخِ سحر
بادِ گل رنگ کا ساغر کھلا
لاکے ساقی نے صبحِ وحی کے لئے
رکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا

بنم سلطانی ہوئی آراستہ کعبہ امن و امان کا دیکھلا
 تاج تیریں مہربانیاں سے سوا خسرو آفاق کے منہ پر کھلا
 شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے رازِ مہستی اُس پر سرتا سر کھلا
 وہ کہ جس کی صورتِ نکوین میں مقصدِ چرخ و مفت اختر کھلا
 وہ کہ جس کے ناخن تاویل سے عقدہ احکام پیغمبر کھلا
 پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام اس کے سرنگوں کا جب قر کھلا
 روشناسوں کی جہاں فہرست ہے واں لکھا ہے پسرِ قیصر کھلا
 تو سن شہ میں ہو وہ خوبی کہ جب ق تھان سے وہ غیرت ضرر کھلا
 نقشِ پاکی صورتیں وہ دل فریب تو کہے بتِ حنائی آذر کھلا
 مجھ پہ فیضِ تربیت سے شاہ کی منصبِ مہر و مہرِ اختر کھلا
 لاکھ عقدے دل میں تھے لیکن ہر ایک میری حد و سع سے باہر کھلا
 تھا دل وابستہ قفل بے کلید کس نے لکھو لاکھ کھلا کیونکر کھلا
 باغِ معنی کی دکھاؤں گاہار مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا

ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس
 لوگ جانیں طلبہ معین کھلا

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پرکھلا کا شکے ہوتا قفس کا درکھلا
 ہم پکاریں اور کھلے یوں کون جائے یار کا دروازہ پاویں گرکھلا
 ہم کو ہے اس رازداری پر گھمنڈ دوست کا ہے راز دشمن پرکھلا
 واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ زخیم لیکن داغ سے بہتر کھلا
 ہاتھ سے رکھ دی کب برو کی کمال کب کمر سے غمزہ کے خنجر کھلا
 مُفت کا کس کو بُرا ہے بدرقہ رہ روی میں پردہ رہبر کھلا
 سوزِ دل کا کیا کرے بارِ این شک آگ بھڑکی منہ اگر دم بھر کھلا
 نام کے ساتھ آگیا پیغام مرگ رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھو غالب سے گر اُٹھیا کوئی

ہے ولی پوشیدہ اہد کا فرکھلا

پھر مودحت طرازی کا خیال پھر وہ خورشید کا فخر کھلا
 خامہ نے پائی طبیعت سے مدد بادِ باں کے اُٹھتے ہی لنگر کھلا
 موج سے ممدوح کی دیکھی شکوہ عرض سے یاں رتبہ جو ہر کھلا
 مہر کا نیا چرخ چکر کھا گیا بادِ مشرک کا رایت لشکر کھلا
 بادِ مشرک نام لیتا ہے خطیب اب علو پایہ منبر کھلا

سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس اب عیار آبروئے زر کھلا
 شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ اب مالِ سی اسکندر کھلا
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے اب فریب طفل و سنجر کھلا
 ہو سکے کیا مع ہاں اک نام ہے دفترِ حرج جہاں داور کھلا
 فکر اچھی پرستائشِ ناتمام عجزِ حجاز ستائشِ گر کھلا
 جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل تم پر اے خاقانِ نام و رکھلا

تم کرو صا جعفرانی جب تلک

ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

اے شہنشاہِ فلک منظرِ بے مثل و نظیر اے جہاندارِ کرم شیروہ و بے شہرِ عدیل
 پاؤں سے تیرے ملے فرقِ ارادتِ انگِ فرق سے تیرے کئے کسبِ سعادتِ اکیل
 تیرا اندازِ سخنِ شانہ زلفِ الہام تیری رفتارِ قلمِ جنبشِ بالِ جبِ بریل
 تجھ سے عالم پہ کھلا را بطرِ قریبِ کلیم تجھ سے دنیا میں بچھا مائدہٴ بذلِ خلیل
 بہ سخنِ اوجِ دو مرتبہٴ معنی و لفظ بکرمِ داغِ نہِ ناصیہٴ قلمِ ذم و نیل
 تاتھے تہ میں ہو عیشِ طرب کی توخیر تاتھے عہد میں ہو بیخِ دالم کی تقیل
 ماہ نے چھوڑ دیا نور سے جانا باہر زہرہ نے ترک کیا حوت سے کرنا تحویل

تیری دانش مری اصلاحِ مفاسد کی دین
 تیرا اقبالِ ترجمہ مرے جینے کی نوید
 تیرا اندازِ تغافل مرے مرنے کی دلیل
 چرخِ بازو نے ناکاکہ کرے محسوس دلیل
 پہلے ٹھونکی ہے بنِ ناخن تیرے سر کیل
 کششِ دم نہیں بے ضابطہ جگرِ ثقیل
 غمِ گیتی سے مرا سینہ عمر کی زنجیل
 فکرِ میری گہرا اندازِ اشاراتِ کثیر
 میرے اہام پہ ہوتی ہے تصدیقِ توضیح
 جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تبصیل
 نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف

قبلہ کون و مکان خستہ نوازی میں دیر

کعبہ امن و امان عقدہ کشائی میں ڈھیل

ہے جو صاحبِ کعبہ دست پہ چکنی ڈلی
 خامہ انگشتِ ہندواں کہ اسے کیا کہیے
 زریبِ تیا ہے اسے جس قدر اچھا کہیے
 ناظرہ مرہ گر یہاں کہ اسے کیا کہیے
 مرکتوبِ عزیزانِ گرامی کہیے
 مرغِ بازوئے شکر فانی خود آرا کہیے
 مستی آلودہ مرگشتِ حسیناں کہیے
 داغِ طرفِ جگر عاشقِ شیدا کہیے

خاتم دست سیماں کے مشابہ کیئے
 اختر سوختہ قیس سے نسبت دیجے
 میرپستان پری زاد سے مانا کیئے
 خال مشکین رخ و دلکش لیلہ کیئے
 ناز آہوئے بیابانِ ختن کا کیئے
 رگ میں سبزہ نوخیز مسجا کیئے
 میکرے میں اُسے خشتِ خم صہبا کیئے
 کیوں اُسے نقطہ پر کارِ تمنا کیئے
 کیوں اُسے مرداب تصور کیئے
 کیوں اُسے تلمہ پر اہن لیلہ کیئے
 بندہ پرور کے کیف دست کو دل کیجے فرض

اور اس چکنی سپاری کو سودا کیئے

خوش ہولے بخت کہ ہے کج تم سے سرسہل
 کیا ہی اس چاند سے کھڑے پہلا لگتا ہے
 باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پہل
 ہے تم سے حسن دل انسر زکا زور سہل
 مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا مہر سہل
 ورنہ کیوں لائے میں کشتی میں لگا کر سہل
 تب بنا ہوگا اس انداز کا گز بھر سہل
 سات دریا کے فراہم کئے ہوں گے موتی

پنج پہ دولہا کے جو گرمی سے پسینہ ٹپکا
 یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبائے بڑھ جائے
 جی میں اتنا مین موتی کہ ہیں ہیں اک خیر
 جبکہ اپنے میں ساوین خوشی کے مایے
 پنج روشن کی دمک گو بغلطان کی چمک
 تار ریشم کا نہیں ہے رگ ابر ہمار
 ہے رگ ابر گہر بارہ سرا سر سہرا
 رہ گیا آن کے دامن کے برابر سہرا
 چسائیے پھولوں کا بھی ایک مکر سہرا
 گوندھے پھولوں کا بھلا پھول کوئی کیونکر سہرا
 کیونٹ دکھلائے فروغ مہ و اختر سہرا
 لائے گا تاب گراں باری گو ہر سہرا

ہم سخن فہم ہیں خالک کے طرفدار نہیں

دیکھیں اس سہرے کدے کوئی بڑھکر سہرا

منظور ہے گزارش احوال واقعی
 سو پشت سے ہے پیشہ آباسہ گرمی
 آنا دہر و ہوں اور مرا مسکے صلح کل
 کیا کم ہے یہ شرف کہ ظفر کا غلام ہوں
 استاد شہ سے ہو مجھے پر فاش کا خیال
 جام جہاں مناسے شہنشاہ کا ضمیر
 میں کون اور رنجیت ہاں اس سے مدعا
 اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
 کچھ شاعری ذریعہ غرت نہیں مجھے
 ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے
 مانا کہ جاہ و منصب ثبوت نہیں مجھے
 یہ تاب، یہ مجالِ طاقت نہیں مجھے
 سو گنداد و گواہ کی حاجت نہیں مجھے
 خرا بنساطِ خاطر حضرت نہیں مجھے

سہرا کھا گیا زرو امثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آپڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ
سودا نہیں جنوں نہیں حشمت نہیں مجھے
قسمت بُری ہوں طبیعت بُری نہیں
ہے شکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب خدا گواہ

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

اے شاو جہانگیر جہاں بخش جہاں دار
ہے غیب سے ہزم تجھے صد گونہ بشارت
جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے وا ہو
تو وا کرے اس عقدہ کو سو بھی بشارت
ممکن ہے کہے خضر سکندر سے ترا ذکر
گر لب کو نہ دے چشمہ بھیاں سے طہارت
آصف کو سیماں کی وزارت سے شرف تھا
ہے فخر سیماں جو کہ تیری وزارت
ہے نقش مریدی ترا سر ماناں اکہی
ہے داغ غلامی ترا تو قسح امارت
تو آب سے گر سلب کر طاعت سیلاں
تو آگ سے گر دفع کرے تاب شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجدِ دیا میں روانی
ہے گر چہ مجھے کتہ سرانی میں تو غفل
کیونکر نہ کروں مع کو میں ختم دعا پر
باقی نہ رہے آتش سوزاں میں حرارت
ہے گر چہ مجھے سحر طرازی میں مہارت
خاصہ ہے تائش میں ہی میری حیا پر ت

نور ہے آج اور وہ دن جو کہ ہوئے ہیں نظر اگي صنتِ حق اہل بشارت
تجھ کو شرفِ مہر جاں تاب مبارک
غالب کو ترے عقبہ عالی کی زیارت

اے شہنشاہِ آسمان اور نگ لے جا نہ آفتابِ آفتاب
تھامیں اک بے نوائے گوشہ نشین تھامیں اک دم مند سینہ نگار
تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی ہوئی میری وہ گہری بازار
کہ ہوا مجھ سا قدرہ ناچیسر روشناسِ ثوابت و ستار
گرچہ از مدے تنگ بے ہنری ہوں خود اپنی نظر میں آنا خوار
کہ گر اپنے کو میں کہوں خاکی جانتا ہوں کہ آگے خاک کو عار
شاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں بادِ مشہ کا غلامِ کار گزار
خانہ زاد اور مرید اور مداح تھا ہمیشہ سے یہ عریض نگار
بارے تو کہ بھی ہو گیا صد شکر نسبتیں ہو گئیں مشخص چار
نہ کہوں آپ سے تو کس سے کہوں مدحائے ضروری الاطہار
پیر و مرشد اگرچہ مجھ کو نہیں ذوقِ آرائشیں سرود ستار
کچھ تو جاٹے میں چاہیئے آخر تانہ دے باؤ نہ ہریر بازار

کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خریدا نہیں ہے اب کے سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تا پے کہاں تک انسان
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو مقرر ہے
 رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقیہ حیات
 بسکے لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 میری تنخواہ میں تہائی کا
 آج مجھ سانہیں زمانے میں
 رزم کی داستان گریں
 بزم کا الترام گریں
 ظلم ہے گردِ دو سخن کی داد
 آپ کا بندہ اور پھروں نہنگا!

جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ بنا یا نہیں ہے اب کی بار
 بھاڑ میں جائیں ایسے لیل و نہا
 دھوپ کھائے کہاں تک جاندار
 وقفا رہتا عذاب النار
 اُس کے ملنے کا ہے عجب ہنسا
 خلق کا ہے اسی چلن پہ مدار
 اور چھ ماہی ہو سال میں دوبار
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 ہو گیا ہے مشربک سا ہو کار
 شاعر نغز گوئے و خوش گفتار
 ہے زباں میری تیغ جو ہر دار
 ہے قلم میرا ابرو گو ہر بار
 قہر ہے گردِ نہ مجھ کو پیار
 آپ کا ذکر اور کھاؤں اُدھارا

میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ تمان ہو مجھ کو زندگی دشوار
ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام شاعری سے نہیں مجھے سروکار

تم سلامت رہو ہزار ہر بس

ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نصرت الملک بہادر مجھے بتلا کہ مجھے تجھے سچے اتنی ارادت ہو تو کس بجے ہے
گرچہ تو وہ ہے کہ ہنگامہ اگر گرم کسے رونی بزمِ مر و مہر تری ذات ہے
اور میں وہ ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں غیر کیا خود مجھے لغت ہی اوقات ہے
خستگی کا ہو بھلا جس کے سببے مرمت نسبت اک گونہ سے دل کو تری بات ہے
ہاتھ میں تیسے ہے تو سب دولت کی عطا یہ عاشام و بحر قاضی حاجات ہے
تو سکندر ہے مرا فخر ہے لہذا تیرا گوشتِ خضر کو بھی مجھ کو ملاقات ہے

اس پہ گزرے دنگاں ریو وریا کا تنہا

غالب خاک نشین اہل خرابات سے ہے

ہے چار شنبہ آخر ماہ صفر چلو رکھیں جن میں بھر کے مشکبوی ناند
جو آئے جام بھر کے پیئے اور ہو کے مست بن کرے روزِ مآبھر مہلوں کو جائے پھاند
بٹے ہیں سوئے پاندی کے چلتے حضور میں ہے جن کے آگے سیم و زہر و ماہ ماند

یوں سمجھے کہ بیچ سے خالی کئے ہوئے لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند

غالب یہ کیا بیاں ہے بحر بیچ بادشاہ

بجاتی نہیں ہر اب مجھے کوئی نوشت خواند

گلکت کا جود کر کیا تو نے ہم نشیں ایک تیر میے سینہ میں مارا کہ ہائے ہائے

وہ سبزہ زار ہائے مطرا کہ ہے غضب وہ ناز میں تباہ خود آرا کہ ہائے ہائے

مہر آواز وہ اُن کی نگاہیں کہ صفت نظر طاقت مباد وہ اُن کی اشار کہ ہائے ہائے

وہ میوے تازہ و شیریں کہ فادہ وہ وادہ ہائے ناب گوار کہ ہائے ہائے

گئے وہ دن کہ نہ ان سرغیروں کی وفاداری کیا کرتے تھے تم تیر ہم خاموش رہتے تھے

بس اب بگڑے پہ کیا اثر مندرگی جانے دو مل جاؤ

قسم یوم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم کہتے تھے

نپوچھ اُس کی حقیقت حضور والا نے مجھے جو بھیجی ہے بیسن کی روغنی روٹی

نہ کھاتے گیہوں نکلتے نہ خلد سے باہر

جو کھاتے حضرت آدم یہ بیسنی روٹی

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستِ بکا ہو اس شخص کو ضرور ہے روزہ کھا کرے
 جس پاس روزہ کھول کے کھائے کو کچھ ہو
 روزہ اگر نہ کھائے تو بچارہ کیا کرے؟

سیہ گیم ہوں لازم ہی میرا نام نہ لے جہاں میں جو کوئی فتح و ظفر کا طالب ہے
 ہوا نہ غلبہ میسر کبھی کسی پہ مجھے
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے
 سہل تھا سہل لے یہ سخت مشکل آپری مجھ پہ کیا گزیرے گی اتنے روز حاضر ہوئے
 تین دن سہل سے پہلے تین دن سہل کے بعد
 تین سہل تین تبریدیں یہ رکے دن ہوئے؟
 خجستہ انجمن طوبیٰ میرزا جعفر کہ جس کے یکے سے سب کا ہوا ہے جی محفوظ
 ہوئی ہوا ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب
 نہ کیوں ہوا وہ سالِ عیسوی محفوظ
 ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا بزمِ طرب میں رقصِ ناہید
 کہا غالب سے تاریخ اس کی کیا ہے
 تو بولا انشراحِ جمشید جمشید

گو ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں
 کانوں پہ ہاتھ دھتے ہیں کرتے ہوئے سلام اس سے ہے یہ مراد کہ ہم آشنا نہیں

بسکہ فعال بایرید ہے آج ہر سحرشور انگلستان کا
 گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے زہرہ ہوتا ہے آب انساں کا
 چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
 شہر دہلی کا آذرہ دہہ خاک تشنہ ٹخوں ہے ہر مسلمان کا
 کوئی واں سنے اسکے یاں تک آدمی واں نہ جاسکے یاں کا
 میں نے ماما کہہ بل گئے پھر کیا وہی روناقن و دل جاں کا
 گاہ جل کر کیا کئے شکوہ سوزش داغائے نہاں کا
 گاہ رو کر کہا کئے باہم ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا

اس طرح کے وصال سے یارب

کیا طے دل سے داغ ہجراں کا

ہاں دل درد مند زخمہ ساز کیوں نہ کھولے درِ خزیۂ راز
 خامہ کا صفحہ پر رواں ہونا شاخ گل کا ہے گل افشاں ہونا

مجھ سے کیا پوچھتا ہے کیا کہیئے
 بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جا
 آم کا کون مرد میدان ہے
 تاک کے جی میں کیوں ہے نار
 آم کے آگے پیش جاوے خاک
 نہ چلا جب کسی طرح مقدور
 یہ بھی ناچار جی کا کھولے
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے
 نکل اُس میں شاخ و برگ نہ بار
 اور دڑا ئے قیاس کہاں
 جان میں ہوتی گر یہ شیرینی
 جان دینے میں اس کو کیسا جان
 نظر آتا ہے یوں مجھے یہ ثمر
 آتش گل پہ تندا ہے قوام
 یا یہ ہو گا کہ نہ سطرِ راحت سے
 نکلتے ہائے خسرو خزا کہیئے
 خامہ نخلِ رطب نشاں ہو جائے
 ثمر و شاخ گوئے و چوگاں ہے
 آئے یہ گوئے اور یہ میدان
 پھوٹتا ہے جلے پھپھو لے تاک
 بادۂ ناب بن گیا انگور
 شرم سے پانی پانی ہوتا ہے
 آم کے آگے نیشکر کیا ہے
 جب خزاں آئے تربت اُس کی بہار
 جان شیریں میں یہ ٹھاس کہاں
 کوہ کن باوجودِ عنہم گینے
 پردہ یوں ہلے نہ سکتا جان
 کہ دوا خاں ازل میں مگر
 شیر و کے تار کا ہے ریشہ نام
 باغیانوں نے باغِ جنت سے

انگیں کے بحکم رب الناس
 یا لگا کر خطر نے شاخ نبات
 تب ہوا ہے ثمر فشاں یہ نخل
 تھا تیغ زر ایک خسرو پاس
 آم کو دیکھتا اگر یک بار
 رونق کار گاہ برگ و لوا
 رہو راہِ مُسد کا توشہ
 صاحب شاخ و برگ و بار ہے آم
 خاص وہ آم جو نہ ارزاں ہو
 وہ کہ ہے والی ولایتِ محمد
 فخر دیں عزیز شاہِ جاہ و جلال
 کار فرمائے بن و دولت و بخت
 سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے
 اے مفیض وجود سایہ و نور
 اس خداوندِ بندہ پرورد کو
 بھر کے بھیجے جس سر پہ مہر گلاس
 مدتوں تک دیا ہے آپ حیات
 ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
 رنگ کا زرد پر کہاں بو پاس
 پھینک دیتا طلئے دستِ افشا
 نازش دودمانِ آب و ہوا
 طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
 ناز پر وہ بہار ہے آم
 نورِ نخل بارخِ سلطان ہو
 عدل سے اُس کے حمایتِ حمد
 زینتِ طینت و جمالِ کمال
 چہرہ آرائے تلج و مسند و تخت
 خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
 جب تک ہے نمود سایہ نور
 وارثِ گنج و تخت و افسر کو

شاد و دل شاد و شاد ماں رکھیو اور غالب پہ مہرِیاں رکھیو

قصیدہ

گنتی ہیں سال کے رشتہ میں بیس بار گرہ
گرہ کی ہے یہی گنتی کہ تابر و شمار
یقین جان برس کا ٹھکانہ ہے تاکہ
گرہ سے اور گرہ کی امید کیوں نہ پڑے
دلکا کے رشتہ کسی جو قشی سے پوچھا تھا
کہا کہ چرخ پہ ہم نے گنتی ہیں نو گرہ ہیں
خود آسمان ہے ہمارا دراجہ پر صدقے
وہ راؤ راجہ بہادر کہ حکم سے جس کے
انہی کی سالگرہ کے لئے ہے سال بسال
انہی کی سالگرہ کے لئے بنتا ہے
انہی کی سالگرہ کی یہ شادمانی ہے

ابھی حساب میں باقی ہیں سو ہزار گرہ
ہوا کرے گی ہر اک سال پیشکار گرہ
یہ کمکشاں ہو کہ ہیں اس میں بے شمار گرہ
کہ ہر گرہ کی گرہ میں ہیں تین چار گرہ
کہ دیکھ کتنی اٹھ لائے گا یہ تار گرہ
جو یاں گنیں گے تو پاویں گے نو ہزار گرہ
کرے گا سینکڑوں اس تار پر شمار گرہ
رواں ہو تار پہ فی الفورہ زندہ اور گرہ
کہ لائے غیب سے غنچوں کی نو ہزار گرہ
ہو امیں بوند کو ابر نگہ برگ بار گرہ
کہ ہو گئے ہیں گہر لے مشا ہوار گرہ

اُنہی کی ساگرہ کے لئے ہے توفیر کہ بن گئے ہیں ثمرائے شاخسار گرہ
 سُن اے ندیم برس گانٹھ کے یتاگنے تجھے پتاؤں کے کیوں کی ہے اختیار گرہ
 پئے دھائے بھائے جناب فیض مآب گئے گی اس میں ثوابت کی استوار گرہ
 ہزار دانہ کی تسبیح چاہتا ہے یہی بلا مبالغہ درکار ہے حسد ار گرہ
 عطا کیا ہے خدا نے یہ جاذبہ اُس کو کہ چھوڑ تا ہی نہیں رشتہ زینہار گرہ
 کشادہ رخ زبیر کیوں جب میں ماریا بچے نہ از پئے بند نقاب یار گرہ
 متاع عیش کا ہے قافلہ چلا آتا تہمتہ کہ جادہ رشتہ ہے اور ہے شتر قطار گرہ

خدا نے دی ہو وہ غالب کو دستگاہِ سخن

کر ڈر ڈھونڈھ کے لاتا یہ خاکسار گرہ

کہاں مجال سخن سانس لے نہیں سکتا پڑی ہو دل میں مے غم کی چیخ دار گرہ
 گرہ کا نام لیا پر نہ کر سکا کچھ بات زباں تک آ کے ہوئی اور استوار گرہ
 کھلے یہ گانٹھ تو البتہ نرم نکل جائے بُری طرح سے ہوئی ہے گلے کا ہار گرہ
 ادھر نہ ہوگی توجہ حضور کی جب تک کبھی کسی سے کھلے گی نہ زینہار گرہ
 دھائے یہ کہ مخالف کے دلیں از فیض پڑی ہے یہ جو بہت سخت نابکار گرہ
 دل اُس کا پھوڑ کے نکلے لشکرِ مچھنے کے خدا کرے کہ کرے اس طرح اُبھار گرہ

قصیدہ

مرجا سالِ فسخی آئیں عیدِ خوالِ ماہِ فسخی روئیں
 شبِ دروزِ افتخارِ لیلِ دہار مہِ و سالِ اشرفِ شہورِ سنیں
 گرچہ ہے بعدِ عید کے نوروز لیک بیش از مہِ بختِ بعدِ نہیں
 سوارِ کلینِ ن میں ہولی کی مجلسیں جا بجا ہوئیں رنگیں
 شہر میں کوہِ کو عبیر و گلّال باغ میں سو بہ سو گلّالِ نسیریں
 شہر گویا نمودِ گلزار باغ گویا نگارِ خاندِ چیں
 تین تہوار اور ایسے خوب جمع ہرگز ہوئے نہ ہوئے کہیں
 پھر ہوئی ہے اسی مہینے میں منعقدِ محفلِ نشاطِ قرین
 محفلِ غسلِ صحتِ ثواب رونقِ افزائے مسند و تمکین
 بزمِ گہ میں امیرِ شاہِ نشان رزمِ گہ میں حریفِ شیرِ کیمیں
 پیشکارِ حضورِ شوکتِ وجاہ خیر خواہِ جنابِ دولتِ دین
 جن کی مسند کا آسمان گوشہ جن کے خاتم کا آفتابِ بگمیں
 جن کی دیوارِ قصر کے نیچے آسمان ہے گدائے سایہ نشیں

دہریں اس طرح کی بزمِ سحر
 انہیں چرخِ گہمِ راگیں نسرش
 راجہ اندر کا جو اکھاڑہ ہے
 وہ نظر کا و اہلِ وہم و خیال
 داں کہاں یہ عطا و بذل و کرم
 یاں زمیں پر نظر جہاں تک جائے
 نعمتِ مظر بانِ زہرہ نوا
 اُس اکھاڑے میں جو کہ ہے مظلون
 سرورِ مہر فر ہوا جو سوار
 سب نے جانا کہ ہے پری تو سن
 نقشِ سیمِ سمند سے یکسر
 فوج کی گردِ راہ مشکِ فشاں
 بسکہ بخشی ہے فوج کو عزت
 مرکبِ خاص یوں زمیں پر تھا
 چھوڑ دیتا تھا گور کو بہرام
 نہ ہوئی ہو کبھی بروئے زمیں
 تو بے ماہِ ساغرِ سیس
 ہے وہ بالائے سطحِ چنچ بریں
 یہ ضیا بخش چشمِ اہلِ یقیں
 کہ جہاں دادِ گر کا نام ہنیں
 ژالہ آسا بچے ہیں دُرّ ثقیں
 جلوہ بولبانِ ماہِ جبین
 یاں وہ دیکھا بچشمِ صورتِ بین
 بکمالِ تمجید و تزیین
 اور بالِ پری ہے دامنِ زمیں
 بن گیا دشتِ دامنِ گلچیں
 رہروں کے مشامِ عطر آگیں
 فوج کا ہر سپاہی ہے فرزین
 جس طرح ہے سپہر پر پروں
 رانِ پرداغِ تازہ دے کے دہیں

اور داغِ آپ کی غلامی کا خاص بہرام کا ہے زیبِ سرس
 بندہ پرورشِ ناظرِ اتری سے تدعایِ حقِ حقِ شر نہیں
 آپ کی صبح اور میرا مُنہ گر کہوں بھی تو کس کو آئے یقین
 اور پھر اب کہ ضعفِ پیری سے ہو گیا ہوں نزار و زار و حزیں
 پیری و نیستی خدا کی پناہ دستِ خالی و خاطرِ غمگین
 صرف اظہارِ عبادت کا ہے قلم کے جو سجدہ زیرِ جبین
 مدح گستر نہیں دُعا گو ہے غالب عاجزِ نیاز گزین

ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں

تم رہو زندہ جاوداں آئیں

قصیدہ

کرتا ہے چرخِ روزِ بعدِ گونا احترام فرمانِ روائے کشورِ پنجاب کو سلام
 حق گوئے و حق پرستِ حق اندیشِ حق شناس نوابِ مستطابِ میرِ شہِ انام
 جمِ رتبہِ منگلوڈ بہادر کہ وقتِ رزم ترکِ فلک کے ہاتھ سے چھین لیں حسام
 جس بزم میں ہوا نہیں آہنگِ میکشی فالِ آسمانِ شیشہ ہے آفتابِ جام
 چاہتا تھا میں نے تم کو میرا چارہ کہوں دل نے کہا کہ یہ بھی ہو تیرا خیالِ خام
 فنا عشقِ مہ

دورات میں تمام ہے ہنگامہ کا
 سچ ہر تم آفتاب ہو جس کے فروغ سے
 میری سنو! کہ آج تم اس سرزمین پر
 اخبار لہجیانہ میں میری نظر پڑی
 مکڑے ہوا ہے دیکھ کے تحسیر کو جگر
 وہ فرد جس میں نام ہے میرا غلط لکھا
 سب دہیں بدل گئیں ناگاہ یک قلم
 ستر برس کی عمر میں یہ داغ جاگداز
 تھی جنوری سینے کی تاریخ تیرھویں
 اس بزم ہر فروغ میں اس تیرہ بخت کو
 سمجھا اُسے گر آب ہوا پاش پاش دل
 غرت پہ اہل نام کی ہستی کی تھی بنا
 تھا ایک گو نہ ناز گواہ اپنے کمال پر
 آیا تھا وقتِ یل کے کھیلنے کا بھی قریب
 اس کشمکش میں آپ کا علاج دردمند

حضرت کا غرو جاہ ہے گاہ علی الدوام
 دریاے نوز ہے فلک آہنگینہ فام
 حق کے تفضلات سے ہر مہرچہ انام
 تحریر ایک جس سے ہوا بندہ تلخ کام
 کاتب کی آستیں ہے مگر تیغ کا نیام
 جب یاد آگئی ہے کلیجہ لیا ہے تھام
 نمبر ہانہ نذر نہ خلعت کا انتظام
 جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام
 استاد ہو گئے لب دریا پہ جو خیام
 نمبر ملا نشیب میں از روئے اہتمام
 دریا میں جو مجھ پہ چلی چشمک عوام
 عزت جہاں گئی تو نہ ہستی ہی نہ نام
 اُس ناز کا فلک نے لیا مجھ سے انتقام
 تھا بارگاہِ خاص میں خلقت کا ازدحام
 آقائے نامور سے نہ کچھ کر سکا کلام

جو وہاں نہ کہہ سکا وہ لکھا ہے حضور کو
 دیں آپ میری داد کہ ہوں فائز المرام
 ملک و سپہ نہ ہو تو نہ ہو کچھ ضرر نہیں
 سلطان بزدل بکر کے ورکا ہو نہیں قحطام
 وکتوریہ کا دہر میں جو مدح خوان ہو
 شاہانی عرصہ چاہیے لیخت اس کو ام
 خود ہے تدارک اس کا گورنٹ کو ضرر
 بے وجہ کیوں فوہیل ہو غالب جو جس کا نام
 امر جدید کا نہیں ہے اب کوئی سوال
 بارے قدیم قاعدہ کا چاہیے قیام
 ہے بندہ کو اعداء عزت کی آرزو
 چاہیں اگر حضور تو مشکل نہیں یہ کام
 دستور فقہی شعر نہیں ہے قدیم سے
 یعنی دعا کا مدح پہ کرتے ہیں اختتام

ہے یہ دعا کہ زیرِ تمکین آپ کے رہے

اقلیم ہند و سندھ سے تا ملک روم و شام

